بانی ومہتمم :مفتی محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی خلیفہ حضور شیخ العالم وسربراہ اعلیٰ علما کونسل نیپال بفیض روحانی : مجمع الفضائل والبرکات،مظہر کمالات امام ربانی حضور شیخ العالم مولانا شاہ احمد رضا نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ قیادت :قائد ملت نیپال حضرت مولاناالحاج سید غلام حسین مظہری مرکزی صدر علما کونسل نیپال

Reg.No: 5310 -2082/2083

ہفت روزہ

نیپال اردو ٹائمز

Weekly
The NEPAL URDU TIMES

eSewa

جلد نمبر ۱
VOL:(1)

چیف ایڈیٹر: عبد الجبار علیمی نظامی
weeklynepalurdutimes@gamil.com

12 صفحات

02/جولائی 2026 مطابق 16/ محرم الحرام 1448ھ / 18 گتے اساڑ 2083

شمارہ نمبر ۹۶
ISSUE (96)

نیپال-بھارت سرحدی تعاون مضبوط: نیپال مسلح پولس فورس اور بھارت سششتر سیمابل کی آرڈینیشن میٹنگ

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپال ہندوستان سرحد پر سیکورٹی اور تال میل کو مضبوط کرنے کے لئے ۴۵ ویں بٹالین، سششتر سیمابل اور نیپال مسلح پولیس فورس کے درمیان بھیم نگر ضلع میں ایک اہم کوآرڈینیشن میٹنگ منعقد ہوئی۔ میٹنگ میں سرحدی علاقے میں سیکورٹی کی موجودہ صورتحال سرحد پار سرگرمیوں معلومات کے تبادلے کے طریقہ کار اور موثر مشترکہ آپریشن پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا گیا۔ میٹنگ کے دوران دونوں ممالک کے حکام نے سرحدی علاقے میں بڑھتی ہوئی منشیات کی اسمگلنگ انسانی اسمگلنگ اور دیگر غیر قانونی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے مشترکہ حکمت عملی پر تبادلہ خیال کیا۔ مشکوک افراد اور سرگرمیوں کے بارے میں معلومات کو فوری طور پر شیئر کرنے اور غیر قانونی نقل و حرکت اور اسمگلنگ کو روکنے کے لیے مشترکہ گشت کو مزید موثر اور باقاعدہ بنانے پر خصوصی زور دیا گیا۔ حکام نے سرحدی علاقے میں امن و امان اور باہمی تعاون کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ ہنگامی حالات میں تیز رفتار

رد عمل اور مربوط تعاون کے نظام کو مزید مضبوط بنانے پر اتفاق کیا۔ موجودہ سیلابی موسم کے پیش نظر سرحدی علاقوں میں سیکورٹی راحت اور بچاؤ کی تیاریوں کا بھی تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ دونوں ممالک کے حکام نے باہمی اعتماد تعاون اور ہم آہنگی کو مزید مستحکم کرنے کے عزم کا اعادہ کیا۔ ایس ایس بی کے کمانڈنٹ گوروسنگھ، ڈپٹی کمانڈنٹ برجیت راؤ انسپکٹر. تیتشوری چودھری انسپکٹر گری راج پرساد مینا، سب انسپکٹر انیل اور دیگر افسران موجود تھے۔ نیپالی مسلح پولیس فورس (اے پی ایف کی جانب سے ایس پی روشن چھٹی بٹالین ایس پی شیام کمار کارکی چوتھی بٹالین، ڈی ایس پی سمشیر کارکی انسپکٹر نریندر سنگھ، انسپکٹر رشی رام اور انسپکٹر انیل کمار اولی موجود تھے۔ میٹنگ خوشگوار ماحول میں اختتام پذیر ہوئی اور مستقبل میں بھی اس طرح کے رابطہ اجلاس باقاعدگی سے منعقد کرنے پر اتفاق کیا گیا

راسوپا کی جانب سے صوبائی اسمبلیاں ختم کرنے کی تجویز پر مدھیش جماعتوں کا سخت اعتراض

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

کاٹھمنڈو | نیپال : راشٹریہ سواتنترا پارٹی (راسوپا) کی چتوان میں منعقدہ مہادھیویشن کے دوران صوبائی اسمبلیوں کو ختم کرنے کی تجویز سامنے آنے کے بعد مدھیش مرکز سیاسی جماعتوں نے شدید رد عمل ظاہر کیا ہے۔ ان جماعتوں نے اس تجویز کو وفاقی نظام اور جمہوری ڈھانچے کے لیے سنگین خطرہ قرار دیتے ہوئے راسوپا اور حکومت سے باضابطہ مؤقف واضح کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ مدھیش میں وفاقیت کے قیام کے لیے طویل جدوجہد کرنے والی جماعتوں کا کہنا ہے کہ اگر صوبائی اسمبلیاں ختم کی گئیں تو اس سے وفاقی نظام کمزور ہو گا اور عوام کے آئینی حقوق متاثر ہوں گے۔ انہوں نے راسوپا سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس تجویز کو فوری طور پر واپس لے، بصورت دیگر اگر حکومت نے اس سمت میں کوئی سرکاری اقدام کیا تو بھرپور احتجاج کیا جائے گا۔ اگرچہ جنتا سماجوادی پارٹی، نیپال، جنمت پارٹی اور ناگرک اُنمکتی پارٹی نے اصولی طور پر صوبوں کی از سر نو تشکیل پر گفتگو کی حمایت کی ہے، تاہم ان کا کہنا ہے کہ صوبائی اسمبلیوں کا خاتمہ وفاقیت کے بنیادی ڈھانچے کو نقصان پہنچائے گا۔ اوپیندر یادو نے کہا کہ وفاقی جمہوریہ، صوبائی نظام اور شمولیتی سیاست پر کسی بھی قسم کا حملہ برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ان کے مطابق وفاقیت مدھیش کے سیکڑوں شہداء کی قربانیوں کا نتیجہ ہے اور صوبائی اسمبلیوں کے بغیر حقیقی وفاقی نظام کا تصور ممکن نہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ چونکہ یہ تجویز فی الحال راسوپا کے اندرونی اجلاس میں پیش ہوئی ہے، اس لیے حکومت کا سرکاری فیصلہ ہی زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اور اگر آئینی ترمیم کی کوئی باضابطہ تجویز آئے گی تو اس پر غور کیا جائے گا۔ دوسری جانب سی کے راؤت نے کہا کہ وزیر اعظم کی جانب سے جنک پور میں وفاقیت کے حق میں دیے گئے سابقہ بیانات کے برعکس راسوپا کی یہ تجویز سیاسی بے ایمانی کے مترادف ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ مدھیش کے عوام نے راسوپا کو وفاقی نظام کو مضبوط بنانے کی امید پر ووٹ دیا تھا، لیکن اب صوبائی اسمبلیوں کے خاتمے کی بات کرنا عوامی اعتماد کے خلاف ہے۔ سی کے راؤت نے مزید کہا کہ وفاقی جمہوریہ کا بنیادی ستون ہی صوبائی اسمبلیاں ہیں، اور اگر انہیں ختم کر دیا گیا تو جمہوریت بھی کمزور ہو جائے گی۔ انہوں نے دیگر بڑی جماعتوں سے بھی مطالبہ کیا کہ وہ وفاقی نظام کے تحفظ کے لیے واضح موقف اختیار کریں

خراب موسم کی وجہ سے بھارتی ہیلی کاپٹر نیپال کی فضائی حدود میں داخل ہوا، وزیر خارجہ

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

وزیر خارجہ نے قومی اسمبلی کے اجلاس میں تصدیق کی کہ خراب موسم کے باعث ایک بھارتی ہیلی کاپٹر غیر ارادی طور پر نیپال کی فضائی حدود میں داخل ہو گیا تھا۔ وزیر خارجہ کا پارلیمنٹ میں مکمل بیان، محترم چیئرمین، ایوان کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ گزشتہ ہفتے نیپال-بھارت سرحدی علاقے میں شدید دھند اور کم دید کی وجہ سے بھارت کے ایک فوجی ہیلی کاپٹر نے راستہ بھٹک کر نیپال کی سرحد عبور کر لی تھی۔ یہ ایک تکنیکی اور غیر ارادی واقعہ تھا۔ ہمارے ابتدائی جائزے اور بھارتی حکام سے رابطے سے یہ واضح ہوا ہے کہ ہیلی کاپٹر کا اس میں کوئی بدنیتی پر مبنی مقصد نہیں تھا۔ جیسے ہی ہمارے سیکورٹی اداروں نے اس کی نشاندہی کی، وزارت خارجہ نے دہلی میں موجود ہمارے سفارتخانے کے ذریعے بھارتی وزارت خارجہ سے فوری رابطہ کیا۔ بھارتی جانب نے واقعے پر معذرت کی اور وضاحت دی کہ پائلٹ کو خراب موسم کی وجہ سے نیویگیشن میں دشواری پیش آئی۔ ہیلی کاپٹر نے فوری طور پر نیپال کی فضائی حدود چھوڑ دی۔ حکومت کا موقف، نیپال اپنی فضائی حدود اور علاقائی سالمیت کے تحفظ کے لیے مکمل طور پر چوکنا ہے۔ اس طرح کے کسی بھی واقعے کو ہم سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ ہم نے بھارتی جانب سے مطالبہ کیا ہے کہ سرحدی علاقوں میں پرواز کے دوران نیپال کی فضائی حدود کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ مستقبل میں اس طرح کے واقعات سے بچا جا سکے۔ وزیر خارجہ نے کہا: نیپال اور بھارت کے درمیان کھلی سرحد اور دوستانہ تعلقات ہیں۔ لیکن دوستی کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنی خودمختاری پر سمجھوتہ کریں گے

کانگریس کے اندر اختلافات، ۱۵ویں جنرل کنونشن کی متوازی تیاری شروع۔

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

کاٹھمنڈو (نیپال اردو ٹائمز): نیپالی کانگریس کے اسٹیبلشمنٹ مخالف (غیر ادارہ جاتی) دھڑے (جماعت) نے پارٹی کے ۱۵ویں جنرل کنونشن کی متوازی تیاری کا آغاز کرتے ہوئے کٹھمنڈو کے چون دیوی علاقے میں ایک رابطہ دفتر قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ دفتر کی تزئین و آرائش جاری ہے اور آئندہ چند روز میں باقاعدہ طور پر کام شروع ہونے کی توقع ہے۔ اس دفتر کا نام "۱۵واں جنرل کنونشن تیاری رابطہ دفتر" رکھا جائے گا۔ رہنما بملیندر ندھی نے بتایا کہ ان کا مقصد پارٹی کو تقسیم کرنا نہیں بلکہ پارٹی کے اندر اتفاقِ رائے کے ذریعے ۱۵ویں جنرل کنونشن کو "اتحاد کنونشن" بنانا ہے۔ تاہم انہوں نے الزام لگایا کہ پارٹی کی موجودہ قیادت ان کے مطالبات کو سنجیدگی سے نہیں لے رہی۔ غیر اسٹیبلشمنٹ دھڑے نے سابق قائم مقام صدر پورن بہادر کھڑکا کے ذریعے پارٹی قیادت کو ایک تحریری تجویز پیش کی ہے، جس میں ۱۴ویں جنرل کنونشن اور بعد کے خصوصی کنونشن سے منتخب مرکزی کمیٹیوں کو یکجا کرنے، رکنیت کی تجدید، انتخابی، نظم وضبط اور آئین ترمیمی کمیٹیوں میں دونوں دھڑوں (جماعتوں) کی مساوی نمائندگی جیسے مطالبات شامل ہیں۔ دوسری جانب پارٹی کے جنرل سیکریٹری گروراج گھمیری نے کہا ہے کہ موجودہ آئین کے تحت سابقہ مرکزی کمیٹی کے تمام اراکین کو موجودہ ڈھانچے میں شامل کرنا ممکن نہیں۔ البتہ باقی ماندہ نامزد نشستوں میں کچھ رہنماؤں کو شامل کرنے اور شیکھر کوئرالا اور پورن بہادر کھڑکا کو سینئر قائدین کی ذمہ داریاں دینے پر غور کیا جا سکتا ہے۔ شیکھر کوئرالا نے یہ تجویز بھی دی ہے کہ اگر تمام رہنماؤں کو مرکزی کمیٹی میں جگہ دینا ممکن نہ ہو تو جنرل کنونشن کی تیاری کے لیے ایک مشترکہ سیاسی رابطہ میکانزم تشکیل دیا جائے۔ ادھر پارٹی کے اندر اختلافات کے باوجود کئی رہنما تقسیم کے خلاف ہیں۔ رہنما کشور سنگھ راٹھور نے واضح کیا کہ وہ کسی بھی صورت پارٹی نہیں چھوڑیں گے اور کانگریس کے انتخابی نشان "درخت" اور چار ستاروں والے پرچم کے ساتھ ہی اپنی سیاسی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ اسی دوران غیر اسٹیبلشمنٹ دھڑے (جماعت) کے رہنما شیام گھمیری نے اعتراف کیا کہ طویل عرصے سے فیصلہ نہ ہونے کے باعث کارکنوں میں بے چینی اور الجھن بڑھ رہی ہے۔ ان کے مطابق اب پارٹی کے سامنے تین ہی راستے باقی ہیں: پارٹی تقسیم کرنا، بغیر کسی شرط کے ۱۵ویں جنرل کنونشن میں شرکت کرنا، یا پھر عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرنا۔ سیاسی مبصرین کے مطابق فی الحال پارٹی میں اختلافات ضرور موجود ہیں، تاہم فوری طور پر نیپالی کانگریس کی تقسیم کے امکانات کم دکھائی دیتے ہیں اور دونوں دھڑے (جماعتیں) کسی نہ کسی مفاہمت کی کوششوں میں مصروف ہیں

* "नेपाली बृहत् शब्दकोश- —"किताब

ایک مختصر تعارف*

نیپال پرگیہ پرتِشٹھان، کملادی، کٹھمنڈو**

(नेपाल प्रज्ञा-प्रतिष्ठान, कमलादी, काठमाडौं) کی جانب سے شائع ہونے والا *"نیپالی بِرہت شبد کوش"* نیپالی زبان کے الفاظ کے معانی، استعمال اور تشریح کا ایک نہایت وقیع ذخیرہ ہے۔ تقریباً ۱,۳۸۰ سے زائد صفحات پر مشتمل اس لغت میں نہ صرف نیپالی الفاظ کی مفصل توضیح پیش کی گئی ہے بلکہ *اردو، عربی، انگریزی، جاپانی، ہندی* سمیت درجنوں زبانوں سے ماخوذ الفاظ کے معانی اور تفصیلات بھی شامل کی گئی ہیں۔

یہ لغت PDF کی صورت میں بھی دستیاب ہے اور موبائل ایپ کی شکل میں بھی استعمال کی جا سکتی ہے، جس کے ذریعے مطلوبہ لفظ کے معنی تک تیزی اور آسانی سے رسائی حاصل کی جا سکتی ہے، یوں وقت کی بھی بچت ہوتی ہے۔

نیپالی زبان کو صحیح، منظم اور گہرائی کے ساتھ سیکھنے، الفاظ کے معانی، ان کے استعمال اور زبان کی باریکیوں کو سمجھنے کے خواہش مند طلبہ، اساتذہ، مصنفین اور محققین کے لیے *"نیپالی برہت شبدکوش"* ایک نہایت مفید، مستند اور قابلِ اعتماد مرجع ہے۔

پاکستانی فضائی حملوں میں ۳۶ افغان شہری ہلاک

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
سید ظہیر احمد فنا

افغانستان نے پاکستان کی جانب سے کیے گئے فضائی حملوں کے بعد سخت سفارتی رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کابل میں پاکستانی سفارت خانے کے ناظم الامور کو طلب کر لیا ہے۔ افغان وزارت خارجہ نے پاکستانی طیاروں کی جانب سے افغان فضائی حدود کی خلاف ورزی اور سرحدی صوبوں میں شہری آبادی کو نشانہ بنانے پر شدید احتجاج ریکارڈ کرایا ہے۔

اہم تفصیلات:
ہلاکتیں اور زخمی: طالبان حکومت کے تازہ اعداد و شمار کے مطابق ان فضائی حملوں میں جاں بحق ہونے والوں کی تعداد بڑھ کر ۳۶ ہو گئی ہے، جبکہ ۱۶۳ افراد زخمی ہوئے ہیں۔ متاثرہ علاقے: یہ حملے افغانستان کے صوبوں کنڑ، پکتیا اور پکتیکا میں عام شہریوں کے گھروں پر کیے گئے۔ سفارتی احتجاج: افغان وزارت خارجہ نے ان حملوں کو بین الاقوامی اصولوں اور افغانستان کی خود مختاری کے خلاف قرار دیا ہے۔ پاکستانی موقف: دوسری جانب، پاکستان نے اس فوجی کارروائی کو دہشت گردی کے خلاف آپریشن قرار دیتے ہوئے اس کا دفاع کیا ہے۔ پاکستانی وزیر اطلاعات عطاءاللہ تارڑ نے کہا کہ سرحدی علاقے میں انٹیلیجنس اطلاعات کی بنیاد پر زمینی کارروائی کی گئی، جس کی فضائی مدد بھی حاصل تھی۔ یہ کارروائی پاکستان میں حالیہ دہشت گرد حملوں کے جواب میں کی گئی اس واقعے کے بعد دونوں پڑوسی ممالک کے درمیان سفارتی اور سرحدی کشیدگی میں مزید اضافہ ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے۔

کم جونگ ان نے چین کے ساتھ مضبوط تعلقات استوار کرنے کا وعدہ کیا

سیول: (ایجنسیاں)
شمالی کوریا کے صدر کم جونگ ا ±ن نے چینی کمیونسٹ پارٹی (سی سی پی) کے قیام کی ۱۰۵ ویں سالگرہ کے موقع پر چینی صدر شی جن پنگ کو مبارکباد کا پیغام بھیجا اور بیجنگ کے ساتھ تعلقات کو مضبوط بنانے کے اپنے عزم کا اعادہ کیا۔ جنوبی کوریا کی سرکاری خبر رساں ایجنسی یونہاپ نیوز نے کورین سنٹرل نیوز ایجنسی (کے سی این اے) کے حوالے سے بتایا کہ کم نے کہا کہ کمیونسٹ پارٹی کے بغیر کوئی نیا چین نہیں ہو سکتا، ایک سچائی جسے چینی عوام نے پارٹی کی رہنمائی میں آگے بڑھتے ہوئے برسوں میں محسوس کیا ہے۔ کے سی این اے کے مطابق کم نے گزشتہ ماہ پیانگ یانگ میں شی جن پنگ کے ساتھ اپنی سربراہی ملاقات کو یاد کیا۔ شی جن پنگ نے ۸-۹ جون کو پیانگ یانگ کا دو روزہ سرکاری دورہ کیا، تقریباً سات سالوں میں شمالی کوریا کا ان کا پہلا دورہ تھا۔ دورے کے دوران ، دونوں رہنماو ¿ں نے سیاست، معیشت اور ثقافت کے شعبوں میں تعاون بڑھانے پر اتفاق کیا اور اعلیٰ سطح کے مذاکرات کو مضبوط بنانے اور دوطرفہ تعلقات میں ایک نیا باب کھولنے کا عہد کیا۔ دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کی مضبوطی کی پختہ ضمانت پارٹیوں کی قیادت سے ملتی ہے۔ شمالی کوریا کے صدر نے کہا کہ وہ شی جن پنگ کے ساتھ مل کر سوشلزم کو مزید مضبوط بنانے کے لیے تیار ہیں، جو دونوں جماعتوں کا مشترکہ ہدف ہے۔

فرانس نے ایران مخالف ریلی پر پابندی لگا دی

پیرس: (ایجنسیاں) فرانس نے سیکورٹی خدشات کا حوالہ دیتے ہوئے دارالحکومت پیرس میں ایک منصوبہ بند ایران مخالف ریلی پر پابندی لگا دی ہے۔ اس تقریب کا اہتمام ایران مخالف تنظیم نیشنل کونسل آف ریزسٹنس (این سی آر آئی) کے سیاسی ونگ نے کیا تھا لیکن اسے شروع ہونے سے چند گھنٹے قبل منسوخ کر دیا گیا۔ ایران کے سرکاری نیوز میڈیا پریس ٹی وی کے مطابق فرانسیسی پولیس اور انٹیلی جنس ایجنسیوں نے خبردار کیا تھا کہ اس تقریب سے سیکیورٹی خطرات لاحق ہیں اور اندرون و بیرون ملک بڑھتی ہوئی کشیدگی کے درمیان تشدد کو جنم دے سکتا ہے۔ عہدیداروں نے کہا کہ صورتحال حساس ہے اور اس لیے ریلی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ این سی آر آئی کو ایران نواز تنظیم پیپلز مجاہدین آرگنائزیشن آف ایران (پی ایم او آئی / ایم کے او) کا سیاسی ونگ سمجھا جاتا ہے۔ ایرانی حکومت نے طویل عرصے سے اس تنظیم کو دہشت گرد تنظیم قرار دیا ہے۔
سیکیورٹی رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ پی ایم او آئی کے حامیوں اور ایران کے معزول شاہ کے بیٹے رضا پہلوی کے بادشاہت کے حامی گروپ کے درمیان تناو ¿ بڑھ رہا ہے۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ یہ تصادم پر تشدد جھڑپوں میں بدل سکتا ہے۔ رپورٹس کے مطابق سوشل میڈیا کی کچھ سرگرمیوں اور ویڈیوز میں ہتھیاروں کی نمائش اور احتجاج کو روکنے یا نشانہ بنانے کی دھمکیوں کا بھی ذکر ہے۔ سیکیورٹی اداروں نے مداخلت کرتے ہوئے تقریب کو روکنے کا فیصلہ کیا

قاضی نیپال فاونڈیشن مختصر تعارف

قاضی نیپال فاؤنڈیشن ملک نیپال کی عظیم عبقری شخصیت حضرت علامہ مفتی محمد عثمان برکاتی حفظہ اللہ قاضی نیپال ملک نیپال کے عقیدت مندوں کی ایک تنظیم ہے جو فلاحی ورفاہی کاموں میں سرگرم عمل رہا کرتی ہے اور نیپال اردو ٹائمز کی معاونت ہمہ وقت یہ تنظیم کرتی ہے جس سے اردو ادب کو فروغ دیا جا سکے اللہ کریم اس تنظیم کے جملہ اراکین کو اپنے امان میں رکھے

غیر قانونی دھماکا خیز مواد کے نیٹ ورک پر تحقیقات کا دائرہ وسیع

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
سید ظہیر احمد فنا

مقام اور واقعہ: یہ خبر بنگلورو (۲۹ جون، یو این آئی) سے ہے۔ کرناٹک پولیس نے تمکور ٹیکسی دھماکے میں استعمال ہونے والے دیسی ساختہ بم (IED) کی تحقیقات کے لیے متعدد خصوصی ٹیمیں تشکیل دی ہیں۔ اس واقعے میں ایک شخص ہلاک جبکہ دو دیگر بال بال بچ گئے۔
پولیس کی تشویش: پولیس اس بات کی تفتیش کر رہی ہے کہ ایک عام شہری کو ایسا دھماکا خیز مواد کیسے حاصل ہوا۔ تحقیقات کا مرکزی اب دیسی ساختہ دھماکا خیز مواد کی مبینہ غیر قانونی سپلائی پر ہے۔
واقعے کا پس منظر: پولیس کے مطابق، ناگیندر گوڑا نامی ملزم نے مبینہ طور پر بنگلورو سے ایک خاتون کو اغوا کیا، کرائے کی ٹیکسی میں تمکور کی طرف لے گیا، اور ۲۷ جون کو نیشنل ہائی وے ۴۸ پر چلتی گاڑی میں دیسی بم دھماکے سے خود کو ہلاک کر لیا۔
تحقیقات میں رکاوٹ: تفتیش کے دوران معلوم ہوا کہ دھماکے میں ملزم کا موبائل فون مکمل طور پر تباہ ہو گیا، جس کی وجہ سے اس کی کال ڈیٹیلز اور رابطوں کا سراغ لگانا اور یہ معلوم کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ اس نے دھماکا خیز مواد کہاں سے حاصل کیا تھا۔
ملزم اور خاتون کا تعلق: پولیس کے مطابق ملزم اور خاتون گزشتہ تقریباً چھ سال سے تعلق میں تھے، تاہم خاتون کے بنگلورو منتقل ہونے کے بعد ان کے تعلقات خراب ہو گئے تھے۔ ملزم کو شبہ تھا کہ خاتون کا کسی دوسرے شخص کے ساتھ تعلق ہے۔ خاتون نے بتایا کہ ملزم اکثر اس پر تشدد کرتا تھا اور شادی کے لیے دباؤ ڈالتا تھا۔ دھماکے کا منظر: راستے میں دونوں کے درمیان جھگڑا ہوا، جس کے بعد گاڑی رکی تو خاتون موقع پا کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ اس کے بعد ملزم نے خود کو ٹیکسی کے اندر بند کر لیا اور دیسی ساختہ بم دھماکے سے خود کو اڑا لیا، جس سے وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ خاتون اور ٹیکسی ڈرائیور محفوظ رہے۔
مزید اقدامات: پولیس کو جائے وقوعہ سے ایک اور فعال (active) دیسی ساختہ بم بھی برآمد ہوا ہے۔ سنٹرل رینج کے انسپکٹر جنرل آف پولیس کی ہدایت پر ٹیمیں تفتیش میں مصروف ہیں اور یہ جانچ کی جا رہی ہے کہ آیا یہ مواد اتر کنڑ ضلع کے جنگلاتی علاقوں (جیسے کاروار، یلاپور، ہلیال، جوئیڈا اور ڈانڈیلی) سے حاصل کیا گیا تھا، جہاں اس نوعیت کے خام بم کبھی کبھار استعمال ہونے کی اطلاعات ملتی رہی ہیں

نیتن یاہو کو اسرائیلی اقتدار سے ہٹانے کی تیاریاں تیز، انتخابی میدان میں سابق فوجی سربراہ کی انٹری

تل ابیب: (ایجنسیاں) اسرائیل کے وزیر اعظم بنجامن نیتن یاہو کو اقتدار سے ہٹانے کی تیاریاں شروع ہو گئی ہیں۔ نیتن یاہو دسمبر ۲۰۲۲ سے مسلسل اس عہدے پر فائز ہیں، لیکن آئندہ انتخاب میں انہیں اقتدار سے بے دخل کرنے کی کوششیں تیز ہو گئی ہیں۔ نیتن یاہو کے اہم حریف سمجھے جانے والے سابق فوجی سربراہ گاڈی آئزنکوٹ نے منگل (۳۰ جون) کو اپنی انتخابی مہم کا باضابطہ آغاز کر دیا ہے۔ نئی سینٹرسٹ پارٹی یشر کے سربراہ گاڈی آئزنکوٹ نے انتخابی مہم کے دوران ملک کو متحد کرنے والا لیڈر بننے کا وعدہ کیا اور موجودہ حکومت پر افراتفری پھیلانے کا الزام لگاتے ہوئے اسے اقتدار سے ہٹانے کا عزم ظاہر کیا۔ انہوں نے وزیر اعظم کے عہدہ کے لیے انتخاب لڑنے کا اعلان کیا اور تعلیم، معیشت، عوامی سکیورٹی سمیت مختلف شعبوں میں کئی وعدے کیے۔ 'اسرائیل کو جیتنا چاہیے' نعرہ کے ساتھ آئزنکوٹ نے آئندہ انتخابات کو اسرائیل کی سلامتی، اتحاد اور روح کے لیے فیصلہ کن قرار دیا۔ اس دوران انہوں نے ۷ اکتوبر ۲۰۲۳ کو حماس کے حملے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "آئندہ اکتوبر میں اس ہولناک اکتوبر کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ہم اسرائیل کی تاریخ کا ایک نیا اور کہیں بہتر باب شروع کریں گے۔ ہم اسے مل کر لکھیں گے۔"
قابل ذکر ہے کہ اسرائیلی دفاعی افواج (آئی ڈی ایف) کے سابق چیف آف اسٹاف گاڈی آئزنکوٹ نے بینی گینٹز کی بلو اینڈ وائٹ پارٹی چھوڑ کر اپنی نئی پارٹی قائم کی ہے۔ انہوں نے اسرائیل کی روایات، ورثے اور تورات کی تعلیمات پر مبنی ایک متحد کرنے والا لیڈر بننے اور تمام اسرائیلی شہریوں کا وزیر اعظم ہونے کا وعدہ کیا۔ اگرچہ انہوں نے نیتن یاہو کا نام نہیں لیا، لیکن کہا کہ کچھ لوگ معاشرے میں تقسیم پیدا کرتے ہیں اور ایسے اقدامات کرتے ہیں جو قومی مفاد کے خلاف ہیں۔ ان کے مطابق یہ ان اسرائیلیوں کے منہ پر طمانچہ ہے جو اس وطن کے لیے کام کرتے ہیں، خدمت انجام دیتے ہیں اور اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ آئزنکوٹ کا اشارہ حکومت کے اس قانون کی طرف تھا جسے عام طور پر ان متنازعہ تجاویز سے جوڑ کر دیکھا جا رہا ہے، جن میں انتہائی قدامت پسند یہودیوں (حریدی برادری) کو فوجی خدمت سے استثنیٰ دینے سے متعلق اقدامات شامل ہیں۔ قومی اتحاد کی وسیع حکومت بنانے سے متعلق نیتن یاہو کے حالیہ بیان پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے آئزنکوٹ نے کہا کہ "قیادت 'قومی اتحاد' کی اصطلاح کو ایک فریب پر مبنی انتخابی مہم کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ میں قوم کو متحد کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کروں گا۔" انہوں نے کہا کہ ان کی قیادت اسرائیل کی روایات، وراثت اور بنیادی اقدار پر مبنی ہوگی۔ ساتھ ہی آئزنکوٹ نے الزام عائد کیا کہ "یہ ایسی قیادت ہے جس کے لیے 'جوابدہی' اور 'ذاتی مثال' جیسے الفاظ بے معنی ہیں۔ یہ جھوٹ بولنے والی قیادت ہے۔ گویا جس افراتفری میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، اس کے سوا کوئی اور راستہ ہی نہیں۔ یہ تقسیم کو اس طرح فروغ دیتی ہے جیسے اس کی کوئی قیمت ہی نہ ہو، اور حکومت کرنے کا اس کا واحد طریقہ ہمیں ایک دوسرے سے جدا کرنا ہے۔" ساتھ ہی وہ کہتے ہیں کہ "اس پاگل پن کو ختم کرنا ہمارا فرض ہے، کیونکہ اسرائیل کے پاس دوبارہ غلطی کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم ایسی قیادت کو بدلیں گے جس میں دور اندیشی اور حکمت عملی کا فقدان ہے۔" واضح رہے کہ صرف ۴ سال قبل سیاست میں آنے والے سابق جنرل گاڈی آئزنکوٹ اب وزیر اعظم بنجامن نیتن یاہو کے سب سے مضبوط حریف کے طور پر ابھرے ہیں۔ ۷ اکتوبر کے حملے کے بعد وہ نیتن یاہو کی جنگی کابینہ میں شامل ہوئے تھے، لیکن ۲۰۲۴ میں غزہ کے حوالے سے واضح حکمت عملی نہ ہونے کا الزام لگا کر استعفیٰ دے دیا تھا۔ نیتن یاہو کے تقریباً تمام سیاسی مخالفین کی طرح آئزنکوٹ نے بھی غزہ، لبنان اور ایران جیسے ممالک میں اسرائیلی فوجی کارروائیوں کی مجموعی طور پر حمایت کی ہے

پاکستان پر افغانستان کے فضائی حملے

اسلام آباد: (ایجنسیاں) پاکستان اور افغانستان کے درمیان جاری فوجی تنازع کی وجہ سے اس وقت حالات انتہائی کشیدہ ہیں۔ افغان طالبان کی حکومت نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے پاکستانی حدود میں داعش کے ٹھکانوں کے خلاف ایک بڑا فضائی حملہ کیا ہے۔ طالبان کے مطابق یہ ٹھکانے افغانستان میں شہریوں پر حملوں کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ پاکستان کے حالیہ فضائی حملوں کے دو دن بعد یہ جوابی کارروائی سامنے آئی ہے، جس سے دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی مزید بڑھ سکتی ہے۔ طالبان کا کہنا ہے کہ یہ بڑا فوجی آپریشن پاکستان کے بلوچستان اور خیبر پختونخوا صوبوں میں کیا گیا۔ افغان نیوز چینل طلوع نیوز نے بھی اس دعوے کی تصدیق کی ہے۔ رپورٹ کے مطابق طالبان کے ڈرون نے براہ راست ان ٹھکانوں کو نشانہ بنایا جہاں داعش کے دہشت گرد چھپے ہوئے تھے۔ طالبان نے واضح کیا کہ حملے میں متعدد دہشت گرد مارے گئے، جب کہ شہریوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ طالبان کی اس بڑی کارروائی کو اتوار کے روز پاکستان

کی طرف سے بمباری کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ دو روز قبل پاکستان نے افغانستان کی سرحد میں دراندازی کر کے فضائی حملے کیے تھے۔ اقوام متحدہ (یو این اے ایم اے) کی رپورٹ کے مطابق اس پاکستانی کارروائی میں کم از کم ۲۸ بے گناہ افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے۔ طالبان کی اس تازہ کارروائی کو اس پاکستانی حملے کا براہ راست اور مناسب جواب قرار دیا جا رہا ہے۔ اس وقت پاکستان ہمیشہ کی طرح افغانستان پر دہشت گردوں کو پناہ دینے کا الزام لگا رہا ہے جبکہ طالبان کا موقف ہے کہ دہشت گردی پاکستان کا اپنا اندرونی مسئلہ ہے۔ اس تازہ فضائی حملے نے دونوں ملکوں کے درمیان جنگ کا خطرہ مزید بڑھا دیا ہے۔

جاپانی وزیر اعظم کا تین روزہ دورۂ ہند

نئی دہلی / ٹوکیو: (نیوز ایجنسی) جاپان کی وزیر اعظم سانائے تاکائیچی بدھ کے روز ۱۶ ویں ہند۔ جاپان سالانہ سربراہ اجلاس میں شرکت کے لیے ٹوکیو سے بھارت روانہ ہو گئیں۔ ٹوکیو میں بھارتی سفارت خانے نے ایکس پر جاری بیان میں کہا کہ نئی دہلی میں وفد کے استقبال کے لیے تمام تیاریاں مکمل کر لی گئی ہیں۔ سفارت خانے نے وزیر اعظم تاکائیچی اور ان کے وفد کے محفوظ سفر کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بھارت ان کی آمد کا بے چینی سے منتظر ہے۔ وزارتِ خارجہ کے مطابق جاپانی وزیر اعظم بدھ کی شام نئی دہلی پہنچیں گی، جہاں وہ یکم سے ۳ جولائی تک تین روزہ سرکاری دورے پر

رہیں گی۔ وزارتِ عظمیٰ سنبھالنے کے بعد یہ ان کا بھارت کا پہلا سرکاری دورہ ہو گا۔ دورے کے دوران وزیر اعظم سانائے تاکائیچی ۱۶ ویں ہند۔ جاپان سالانہ سربراہ اجلاس میں شرکت کریں گی۔ توقع ہے کہ اس دورے سے دونوں ممالک کے درمیان سرمایہ کاری اور جدت طرازی کے مواقع کو فروغ ملے گا، اقتصادی تعلقات مزید مضبوط ہوں گے، جبکہ سیمی کنڈکٹرز اور اہم معدنیات جیسے شعبوں میں مضبوط سپلائی چینز کی تعمیر کی کوششوں کو بھی تقویت ملے گی۔
سفارتی ذرائع کے مطابق دورے کے دوران بحری سلامتی، دفاعی ٹیکنالوجی میں تعاون، اور خلیجِ بنگال سے شمال مشرقی بھارت تک ایک صنعتی ویلیو چین کی ترقی پر بھی خصوصی توجہ دی جائے گی۔ وزارتِ خارجہ کا کہنا ہے کہ اس سربراہ اجلاس سے دونوں ممالک کو دوطرفہ تعاون کے تمام شعبوں کا جائزہ لینے، انہیں مزید مضبوط بنانے اور علاقائی و عالمی امور پر باہمی دلچسپی کے موضوعات پر تبادلۂ خیال کا موقع ملے گا

کناڈا، یورپ کے ناٹو ممالک نے امریکہ سے ۳۰۰ ارب ڈالر مالیت کے اسلحے کے آرڈر دیئے: نیٹو سیکرٹری جنرل

ماسکو: (ایجنسیاں)
نیٹو کے سیکرٹری جنرل مارک روٹے نے کہا کہ کناڈا، یورپ کے ناٹو ممالک نے امریکی دفاعی کمپنیوں کو ۳۰۰ ارب ڈالر مالیت کے ہتھیاروں کی خریداری کے آرڈر دیے ہیں۔ روٹے نے ۸-۷ جولائی کو انقرہ میں نیٹو سربراہی اجلاس سے قبل فنانشل ٹائمز کو بتایا، آنے والے سالوں میں یورپ اور کناڈا کے لیے امریکہ سے خریداری کے لیے کل ۳۰۰ ارب ڈالر کے آرڈرز زیر التواء ہیں۔ روٹے نے کہا کہ امریکی دفاعی شعبے میں یورپی اور کینیڈین سرمایہ کاری پہلے ہی امریکہ میں تقریباً ۲۰۰,۰۰۰ افراد کو روزگار فراہم کر رہی ہے۔ توقع ہے کہ ناٹو کے آئندہ سربراہی اجلاس میں اتحادی ممالک دفاعی پیداوار بڑھانے پر زور دیں گے۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی تنقید اور مطالبات کے بعد اتحادیوں نے اپنے دفاعی اخراجات میں نمایاں اضافہ کیا ہے، حالانکہ نئے آرڈرز کا بڑا حصہ امریکی اسلحہ ساز کمپنیوں کو جا رہا ہے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

برتاموڑ صنعت و تجارت سنگھ کی جانب سے معروف تاجر چاند محمد حسین کو اعزاز۔

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

جھاپا (نیپال): برتاموڑ صنعت و تجارت سنگھ نے کاروباری اور سماجی شعبے میں نمایاں خدمات کے اعتراف میں معروف تاجر جناب چاند محمد حسین کو خصوصی اعزاز سے نوازا ہے۔ جھاپا ضلع کی بارہ دشی گاؤں پالیکا، وارڈ نمبر ۲، جنتا چوک کے مستقل باشندہ چاند محمد حسین کو برتاموڑ صنعت و تجارت سنگھ کی آٹھویں سالانہ جنرل اسمبلی کے موقع پر منعقدہ تقریب میں دوشالہ اور تعریفی سند پیش کرکے احترام کے ساتھ اعزاز دیا گیا۔ چاند محمد حسین طویل عرصے تک بیرونِ ملک ملازمت کرنے کے بعد سن ۲۰۱۷ (۲۰۷۴ وکرم سموت) سے کاروباری میدان میں سرگرم ہیں۔ سن ۲۰۲۳ (۲۰۸۰ وکرم سموت) سے وہ برتاموڑ-۵ میں ایوریسٹ فریش اینڈ فیشن مارٹ کامیابی کے ساتھ چلارہے ہیں۔ اس سے قبل انہوں نے بارہ دشی-۳، راج گڑھ میں ایوریسٹ ہائپر مارکیٹ اور ایور سٹنبھی قائم کیا ہے۔ برتاموڑ صنعت و تجارت سنگھ کے مطابق چاند محمد حسین نے کاروباری کامیابی کے ساتھ ساتھ روزگار کے مواقع پیدا کرنے اور سماجی خدمات انجام دینے میں بھی قابل قدر کردار ادا کیا ہے، جس کے اعتراف میں انہیں یہ اعزاز پیش کیا گیا۔ سنگھ کی جانب سے جاری کردہ تعریفی سند میں کہا گیا ہے کہ صنعت، تجارت اور کاروباری شعبے کی ترقی و فروغ کے ساتھ ساتھ معاشرے کے لیے ان کی نمایاں خدمات کو سراہتے ہوئے انہیں یہ اعزاز دیا گیا ہے۔

نیپال میں شدید بارش کی پیش گوئی کے درمیان کوسی بیراج پر مرمت کے کام سے بڑھی تشویش

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کوسی نیپال کے محکمہ موسمیات نے ۳۰ جون اور یکم جولائی کو کوسی علاقہ میں شدید بارشوں سیلاب اور ندی کے پانی کی سطح میں تیزی سے اضافے کی پیش گوئی کی ہے۔ حال ہی میں کوسی علاقے میں موسلادھار بارش اور سیلاب جیسی صورتحال کے لیے الرٹ جاری کیا گیا ہے ۔ دریں اثنا کوسی بیراج کے پھاٹک پر تقریباً ۲۰۶۰ کروڑ روپے کی لاگت سے پینٹنگ اور دیکھ بھال کا کام جاری ہے۔ یہ کام ایسے وقت میں کیا جارہا ہے جب مانسون فعال ہے اور کوسی ندی کے پانی کی سطح میں اچانک اضافہ متوقع ہے۔ بیراج کی دیکھ بھال کے کام نے سیمانچل اور کوسی علاقوں کے لاکھوں لوگوں میں تشویش پیدا کردی ہے۔ لوگ سوال کرتے ہیں کہ جب نیپال میں شدید بارش کا انتباہ جاری کیا جاتا ہے اور کوسی ندی ہر سال اچانک بڑھ جاتا ہے تو بیراج کے پھاٹکوں پر بڑے پیمانے پر دیکھ بھال کا کام کیوں کیا جارہا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ہمالیائی علاقوں میں قلیل مدتی شدید بارشوں کے واقعات میں اضافہ ہورہا ہے، جس سے سیلاب اور ندی کی سطح میں تیزی سے اضافے کا خطرہ ہے۔ اب سب کی نظریں محکمہ آبی وسائل اور انتظامیہ کی تیاریوں پر ہیں۔ اگر نیپال میں پیشین گوئی کے مطابق موسلادھار بارش ہوتی ہے تو کوسی ندی کے پانی کی سطح اور بیراج کا انتظام آئندہ ۴۸ گھنٹوں میں اہم ہو سکتا ہے۔

دوحہ قطر میں قاضی نیپال فاؤنڈیشن کی اہم نشست

نیپال اردو ٹائمز کا تابندہ مستقبل

پریس ریلیز
نیپال اردو ٹائمز

دوحہ، قطر: گزشتہ روز ۲۶ جون ۲۰۲۶ء بروز جمعہ، بعد نمازِ عصر، مشرقِ وسطیٰ کے عظیم صنعتی و تجارتی مرکز اور ادبی و ثقافتی گہوارے، ملکِ قطر کے دارالحکومت دوحہ کے معروف شہر 'گرینڈ مال، پلازا' میں علمائے کرام، مشائخ عظام اور دانشورانِ ملت کی ایک انتہائی اہم، فکر انگیز اور روح پرور نشست منعقد ہوئی۔

اس پروقار محفل کی سرپرستی کے فرائض قاضی نیپال فاؤنڈیشن کے سرپرستِ اعلیٰ، حضرت مولانا عبد القادر اویسی صاحب نے انجام دیے، جبکہ صدارت کے ذمہ داری قاضی نیپال فاؤنڈیشن کے صدر مولانا سلامت حسین رضوی صاحب نے انجام دیے۔

محفل کی سیادت قاضی نیپال فاؤنڈیشن کے نائب صدر و نائب ایڈیٹر نیپال اردو ٹائمز مفتی محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی صاحب نے فرمائی۔

نشست کی قیادت شاعرِ اسلام حضرت مولانا نعیم الدین قادری صاحب کے حصے میں آئی، نظامت کے فرائض حضرت مولانا مجیب الرحمٰن قادری صاحب نے نبھائے، جبکہ قاضی نیپال فاؤنڈیشن کے ناظمِ عالی جناب رستم خان صاحب نے اس پوری مہم کی بھرپور حمایت و تائید فرمائی

اس خصوصی نشست میں بنیادی طور پر نیپال کے مسلمانوں کی تعلیمی و علمی ترقی، سماجی خوشحالی اور بیداریِ شعور کے حوالے سے مخلصانہ اور طویل گفتگو ہوئی. گفتگو کا محور اور سب سے اہم ترین نکتہ نیپال کی شان، آن، بان اور اردو صحافت کے ماتھے کا جھومر، ہفتہ روزہ اخبار "نیپال اردو ٹائمز" کی مزید ترقی، اس کی راہ کی ہمواری اور مستقبل کو تابندہ و درخشاں بنانے کے حوالے سے تھا۔

حاضرینِ مجلس اور تمام اکابرین نے بالاتفاق اس عزم کا اعادہ کیا کہ وہ نیپال اردو ٹائمز کی بقا، ترقی اور اس کے پیغام کو عام کرنے کے لیے ہمیشہ تن، من اور دھن (جان و مال) سے ہر ممکن تعاون اور حمایت جاری رکھیں گے۔

نشست کے آخری مراحل میں ملتِ اسلامیہ کی سربلندی، نیپال کے مسلمانوں کی فلاح اور نیپال اردو ٹائمز کی دن دگنی رات چوگنی ترقی کے لیے رقت آمیز دعائیہ کلمات کہے گئے، جس پر خوبصورت انداز میں اس بابرکت محفل کا اختتام ہوا۔

شرکائے نشست:
اس علمی و فکری بزم کو رونق بخشنے والی دیگر مقتدر شخصیات میں درج ذیل حضرات شامل تھے:
مولانا نور العین قادری صاحب، نمائندہ نیپال اردو حافظ احمد رضا قادری صاحب، حضرت مولانا علی اکبر ثقافی صاحب، صحافی نیپال اردو ٹائمز مولانا بلال برکاتی صاحب، مولانا داؤد حسین صاحب، قاری ارشاد عالم رقیبی صاحب، حافظ کوثر علی مصطفائی صاحب، جناب اسرائیل صاحب، جناب ممتاز قادری صاحب وغیرہ۔

رپورٹر: ابو ارشد مصباحی، مہوتری، نیپال

چاند عراقی لائنز کلب آف ویراٹ نگر کے نئے صدر منتخب

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

ویراٹ نگر، نیپال: لائنز کلب آف ویراٹ نگر نے لائنز سال ۲۰۲۶-۲۷ کے لیے معروف سماجی شخصیت جناب چاند عراقی کو متفقہ طور پر کلب کا صدر منتخب کر لیا ہے۔ ان کے انتخاب پر سماجی، کاروباری اور عوامی حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ نو منتخب صدر چاند عراقی نے اپنے ابتدائی خطاب میں کہا کہ وہ اپنے دور صدارت میں انسانی خدمت، تعلیم، صحت، ماحولیاتی تحفظ، نوجوانوں کی صلاحیتوں کے فروغ اور سماجی ذمہ داری جیسے اہم شعبوں میں مؤثر، نتیجہ خیز اور دیرپا منصوبوں پر خصوصی توجہ دیں گے۔ انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ لائنز کلب آف ویرات نگر کو مزید فعال، شفاف اور خدمت خلق کا مثالی ادارہ بنایا جائے گا تاکہ اس کی سرگرمیوں سے معاشرے کے ہر طبقے کو فائدہ پہنچ سکے۔ انہوں نے مزید کہا کہ آئندہ مدت کار میں مقامی ضروریات اور عوامی مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف فلاحی مہمات، آگاہی پروگراموں اور کمیونٹی کی فلاح و بہبود سے متعلق سرگرمیوں کو ترجیح دی جائے گی۔ چاند عراقی طویل عرصے سے سماجی خدمت، عوامی فلاح اور تنظیمی قیادت سے وابستہ رہے ہیں۔ ان کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے کلب کے اراکین نے امید ظاہر کی کہ ان کے دور میں لائنز کلب آف ویراٹ نگر خدمت، تعاون اور انسان دوستی کے مشن کو مزید مضبوطی کے ساتھ آگے بڑھائے گا۔ چاند عراقی کے صدر منتخب ہونے پر مختلف سماجی، مذہبی، کاروباری اور عوامی شخصیات نے انہیں مبارکباد پیش کرتے ہوئے ان کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کیا ہے۔ نیپال اردو ٹائمز کی جانب سے بھی جناب چاند عراقی کو اس اہم ذمہ داری پر دلی مبارکباد پیش کی جاتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اخلاص، دیانت، حکمت اور بہترین قیادت کی توفیق عطا فرمائے، ان کے فیصلوں میں خیر و برکت رکھے اور ان کا دورِ صدارت معاشرے کے لیے مثالی، کامیاب اور عوامی خدمت سے بھرپور ثابت ہو۔

سنگھ دربار میں وزیر مہاویر پُن کا منفرد انداز قیادت، نئے وزارت سائنس و ٹیکنالوجی کی بنیاد رکھنے کی تیاری

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

کاٹھمنڈو: نیپال کی نو تشکیل شدہ وزارت سائنس، ٹیکنالوجی اور اختراع (انوویشن) بنیادی ڈھانچے کی تعمیر، تنظیمی ڈھانچے کی تکمیل اور ضروری قوانین کی تیاری میں مصروف ہے۔ وزارت کے سربراہ مہاویر پُن نے اپنے منفرد طرز عمل کی وجہ سے ایک بار پھر عوامی اور سرکاری حلقوں کی توجہ حاصل کرلی ہے۔ وزارت کی ترجمان مونیکا جھا کے مطابق فی الحال وزارت میں ابتدائی انتظامی امور انجام دیے جارہے ہیں۔ منظور شدہ ۲۴ آسامیوں میں سے صرف تقریباً ۱۵ ملازمین دستیاب ہونے کے باعث روزمرہ کے کاموں میں مشکلات پیش آرہی ہیں۔ ان کے مطابق سب سے پہلی ترجیح تنظیمی ڈھانچے (O&M) کو حتمی شکل دے کر کابینہ سے منظوری حاصل کرنا ہے۔ دوسری جانب وزیر مہاویر پُن کا طرزِ زندگی بھی خاصا منفرد ہے۔ وہ سنگھ دربار میں واقع وزارت کی عمارت ہی میں قیام کرتے ہیں، وہیں کھانا پکاتے اور مختلف تحقیقی و مشاورتی نشستیں منعقد کرتے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے سوشل میڈیا پر بانس کے نرم کونپلوں (نگالو) کی سبزی پکاتے ہوئے ایک ویڈیو بھی شیئر کی، جس پر کافی بحث ہوئی۔ چند روز قبل وزارت کی سیکریٹری کی ریٹائرمنٹ سے قبل وزیر پُن نے فیس بک پر "تجربہ کار، محنتی اور مؤثر سیکریٹری" کی ضرورت سے متعلق ایک عوامی پوسٹ بھی شیئر کی، جس نے سرکاری حلقوں میں حیرت پیدا کردی۔ بعد میں انہوں نے وضاحت کی کہ ان کا مقصد موجودہ سرکاری سیکریٹریوں میں سے خواہش مند افسران کو دعوت دینا تھا، جبکہ تقرری حسبِ ضابطہ کابینہ کے ذریعے ہی ہوگی۔ وزیر پُن نے اس بات پر بھی زور دیا کہ زیرِ ترمیم سول سروس ایکٹ میں "سائنس و ٹیکنالوجی سروس" کو شامل کیا جانا چاہیے، جس میں خلائی ٹیکنالوجی، بایو ٹیکنالوجی، مصنوعی ذہانت (AI) اور روبوٹکس جیسے شعبے شامل ہوں۔ اس سلسلے میں انہوں نے عوام اور ماہرین سے تجاویز بھی طلب کی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وزارت کے مؤثر کام کے لیے پانچ اہم قوانین تیار کیے جا رہے ہیں، جن میں سائنس، ٹیکنالوجی و اختراع ایکٹ، جدید صنعتی ٹیکنالوجی فروغ ایکٹ، کیمیائی مادّوں کے انتظام سے متعلق قانون اور نیپال سائنس و ٹیکنالوجی اکیڈمی (NAST) کے قانون میں ترمیم شامل ہے۔ وزیر پُن کے مطابق حکومت کا مقصد جامعات میں ہونے والی تحقیقی سرگرمیوں کو صرف تحقیقی مقالوں تک محدود رکھنے کے بجائے انہیں عملی مصنوعات اور کاروباری مواقع میں تبدیل کرنا ہے۔ اسی مقصد کے تحت جامعات میں انوویشن لیبز اور ملک بھر میں انوویشن سینٹرز قائم کرنے کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے تاکہ نئی سوچ رکھنے والے نوجوانوں اور باصلاحیت افراد کو آگے بڑھنے کا موقع مل سکے۔ وزارت کی ترجمان مونیکا جھا نے کہا کہ حکومت کا طویل مدتی ہدف بیرونِ ملک مقیم نیپالی سائنس دانوں کو وطن واپس لانا، ملکی صلاحیتوں کو روزگار فراہم کرنا اور باصلاحیت نوجوانوں کی بیرون ملک ہجرت کو روکنا ہے۔ ادھر وزارت کے بعض ملازمین کا کہنا ہے کہ وزیر کا وزارت ہی میں رہنا اور وہیں روزمرہ کے معمولات انجام دینا انتظامی اعتبار سے ایک نیا تجربہ ضرور ہے، تاہم اس سے ملازمین ہر وقت زیادہ ذمہ داری اور مستعدی کے ساتھ کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

چیف جسٹس کی جانب سے جوڈیشل کونسل کا اجلاس طلب نہ ہونے پر ججوں کی تقرری میں تاخیر، ہزاروں مقدمات التوا کا شکار

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

نیپال کی سپریم کورٹ میں ججوں کی شدید کمی کے باعث مقدمات کی سماعت مسلسل متاثر ہو رہی ہے۔ چیف جسٹس منوج کمار شرما کی تقرری کو ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود اب تک جوڈیشل کونسل کا اجلاس طلب نہیں کیا گیا، جس کے نتیجے میں نئے ججوں کی تقرری کا عمل بھی تعطل کا شکار ہے۔ منگل کے روز سپریم کورٹ میں ۴۶۳ مقدمات سماعت کے لیے مقرر تھے، تاہم صرف ۱۳۱ مقدمات میں فیصلہ یا حکم جاری ہوسکا، جبکہ ۱۹۳ مقدمات وقت کی کمی کے باعث سنے ہی نہیں جا سکے۔ عدالت میں اس وقت چیف جسٹس سمیت ۲۱ ججوں کی گنجائش موجود ہے، مگر صرف ۱۸ جج خدمات انجام دے رہے ہیں، جن میں سے ایک جج طویل رخصت پر ہیں۔ نیپال کے جوڈیشل کونسل ایکٹ ۲۰۷۳ کے مطابق سپریم کورٹ میں کسی بھی خالی ہونے والی نشست پر کم از کم ایک ماہ پہلے اور دیگر عدالتوں میں مقررہ مدت کے اندر تقرری کی سفارش کرنا لازم ہے، لیکن اس قانونی تقاضے پر عمل نہیں ہو رہا۔ ذرائع کے مطابق چیف جسٹس اور سپریم کورٹ کی سینئر ترین جج کے درمیان اختلافات بھی جوڈیشل کونسل کا اجلاس نہ ہونے کی ایک اہم وجہ سمجھے جارہے ہیں، جس کے باعث تقرری کا پورا عمل رکا ہوا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق جیٹھ ۲۰۸۳ کے اختتام تک سپریم کورٹ میں ۲۷ ہزار ۷۳۹ مقدمات زیر التوا ہیں، جن میں ۱۰ ہزار ۲۳۴ مقدمات دو سال سے زائد اور ا ہزار ۴۴۲ مقدمات پانچ سال سے زیادہ عرصے سے فیصلے کے منتظر ہیں۔ نیپال بار ایسوسی ایشن کے صدر وجے پرساد مشر نے کہا کہ بروقت ججوں کی تقرری نہ ہونا عدالتی نظام کا پرانا مسئلہ ہے، جس کی وجہ سے انصاف کی فراہمی میں مسلسل تاخیر ہو رہی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ سپریم کورٹ اس سے قبل بھی جوڈیشل کونسل کو آئین اور قانون کے مطابق بروقت ججوں کی تقرری یقینی بنانے کا حکم (پرمادیش) جاری کر چکی ہے، تاہم اس کے باوجود تقرری کا عمل آگے نہیں بڑھ سکا۔ ماہرین قانون کا کہنا ہے کہ اگر فوری طور پر خالی آسامیوں پر تقرری نہ کی گئی تو مقدمات کا بوجھ مزید بڑھنے کے ساتھ عوام کی بروقت انصاف تک رسائی بھی شدید متاثر ہوگی۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

فتنۂ ارتداد کے طوفان میں اہلِ بیت کا پیغامِ صبر و استقامت، خواتینِ اسلام کے لیے مشعلِ راہ

نوری مسجد، مہاڈا کالونی، واشی ناکہ، ممبئ میں سالانہ اصلاحی اجتماع؛ خطیبۂ شیر بیاں عزیزہ حافظہ انم فاطمہ نے واقعۂ کربلا کے بعد اہلِ بیتِ اطہار کی استقامت، حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا کی ہمت و حوصلے اور ازواجِ امام حسین رضی اللہ عنہ کے جذبۂ صبر و استقلال کو اجاگر کرتے ہوئے فتنۂ ارتداد کے بڑھتے خطرات سے مسلم خواتین کو ہوشیار رہنے کی تلقین کی۔

ممبئ: نوری مسجد، مہاڈا کالونی، واشی ناکہ، چیمبور میں خواتینِ اسلام کے لیے "کربلا کے بعد کا منظر" کے عنوان سے سالانہ اصلاحی اجتماع منعقد ہوا۔ یہ پروگرام مصلحِ قوم و ملت، پیکرِ خلوص و صداقت، حضرت علامہ قاری ابرار احمد، خطیب و امام نوری مسجد، مہاڈا کالونی، واشی ناکہ، چیمبور، ممبئ کی زیرِ سرپرستی منعقد ہوا، جس میں ممبئ اور اطراف و اکناف کے علاوہ دور دراز علاقوں سے بھی خواتینِ اسلام نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

اجتماع کا آغاز عزیزہ کہکشاں اور مدیحہ سلمہا کی پُرسوز نعت و منقبت سے ہوا، جس کے مولانا نعیم الدین قادری صاحب کے حصے میں آئی، نظامت کے فرائض حضرت مولانا مجیب الرحمٰن قادری صاحب نے نبھائے، جبکہ قاضی نیپال فاؤنڈیشن کے ناظمِ عالی

جناب رستم خان صاحب نے اس پوری مہم کی بھرپور حمایت و تائید فرمائی
اس خصوصی نشست میں بنیادی طور پر نیپال کے مسلمانوں کی تعلیمی و علمی ترقی، سماجی خوشحالی اور بیداریِ شعور کے حوالے سے مخلصانہ اور طویل گفتگو ہوئی. گفتگو کا محور اور

سب سے اہم ترین نکتہ نیپال کی شان، آن، بان اور اردو صحافت کے ماتھے کا جھومر، ہفتہ روزہ اخبار "نیپال اردو ٹائمز" کی مزید ترقی، اس کی راہ کی ہمواری اور مستقبل کو تابندہ و درخشاں بنانے کے حوالے سے تھا۔
حاضرینِ مجلس اور تمام اکابرین نے بالاتفاق اس

عزم کا اعادہ کیا کہ وہ نیپال اردو ٹائمز کی بقا، ترقی اور اس کے پیغام کو عام کرنے کے لیے ہمیشہ تن، من اور دھن (جان و مال) سے ہر ممکن تعاون اور حمایت
بعد عزیزہ زینب نے مختصر مگر مؤثر خطاب کیا۔ اس کے بعد حضرت علامہ قاری ابرار

احمد صاحب کی شہزادی عزیزہ عافیہ فاطمہ سلمہا نے وصالِ رسولِ اکرم ﷺ کے موضوع پر قرآنِ کریم، احادیثِ مبارکہ اور معتبر روایات کی روشنی میں مدلل اور پُرمغز خطاب فرمایا۔ انہوں نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے غمِ رسول ﷺ، عشقِ مصطفیٰ ﷺ اور اتباعِ سنت کی اہمیت کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا، جسے حاضرین نے انتہائی انہماک اور عقیدت کے ساتھ سنا۔

بعد ازاں خطیبۂ شیر بیاں عزیزہ حافظہ انم فاطمہ، متعلمہ جامعہ نوریہ للبنات عربک گرلز ہوسٹل، شیلو، دامت گاؤں، ضلع رائے گڑھ، مہاراشٹر نے "کربلا کے بعد کا منظر" کے عنوان پر ولولہ انگیز خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ واقعۂ کربلا کے بعد اہلِ بیتِ اطہار نے جن مصائب و آلام کا سامنا کیا، وہ تاریخِ اسلام کا ایک درخشاں باب ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جرأت، عزیمت اور استقامت کے ساتھ حق کا پرچم بلند رکھا، جبکہ حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا نے کم سنی کے باوجود صبر، حوصلے اور رضا بالقضا کی ایسی مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک اہلِ ایمان، خصوصاً خواتینِ اسلام کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

انہوں نے مزید فرمایا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ازواجِ مطہرات نے بھی آزمائش کی گھڑی میں صبر، استقلال، عفت، حیا اور اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کا عظیم نمونہ پیش کیا۔ اہلِ بیتِ اطہار نے ظلم و جبر کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ ایمان، حقانیت اور دین کی حفاظت کے لیے ہر قربانی پیش کی جا سکتی ہے۔

اپنے خطاب میں حافظہ انم فاطمہ نے موجودہ دور میں بڑھتے ہوئے فتنۂ ارتداد، بے دینی، مغربی تہذیب کی اندھی تقلید، بے پردگی اور اخلاقی انحطاط پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آج مسلم خواتین پر سب سے بڑی ذمہ داری اپنے ایمان، عقیدے اور اسلامی تشخص کی حفاظت ہے۔ انہوں نے خواتین کو قرآن و سنت سے مضبوط تعلق قائم کرنے، پردے کی پابندی، دینی تعلیم کے حصول، اولاد کی اسلامی تربیت اور گھروں میں دینی ماحول قائم کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ اہلِ بیتِ اطہار کی پاکیزہ زندگیاں ہمارے لیے بہترین نمونۂ عمل ہیں۔

واضح رہے کہ نوری مسجد، مہاڈا کالونی، واشی ناکہ میں یہ اصلاحی اجتماع ہر سال باقاعدگی سے منعقد کیا جاتا ہے، جس میں ممبئ اور اطراف کے علاوہ دور دراز علاقوں سے بھی خواتینِ اسلام بڑی تعداد میں شرکت کرتی ہیں۔ خواتین کی سہولت، نظم و ضبط اور آرام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اراکینِ مسجد ہٰذا کی جانب سے نشست، پانی، صوتی نظام اور دیگر ضروری سہولیات کا بہترین انتظام کیا جاتا ہے، جسے شرکائے اجتماع نے سراہتے ہوئے منتظمین کے حق میں دعاؤں کا اظہار کیا۔ اجتماع کے اختتام پر مقررین نے نازیہ خان کے ان گستاخانہ بیانات کی شدید مذمت کی جو نبی کریم ﷺ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں تھے۔ مقررین نے کہا کہ ایسے بیانات مسلم خواتین کے ایمان و عقیدے کے لیے نہایت خطرناک ہیں اور ان سے مکمل طور پر ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے خواتینِ اسلام کو تلقین کی کہ وہ قرآن و سنت، مسلکِ اہلِ سنت اور علماءِ حق کی رہنمائی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں، اپنے ایمان و عقیدے کی حفاظت کریں اور ہر اس فکر و نظریے سے اجتناب کریں جو دینِ اسلام کی صحیح تعلیمات سے دور لے جانے کا سبب بنے۔

اجتماع کا اختتام امتِ مسلمہ کی سلامتی، اتحاد، فتنوں سے حفاظت اور بالخصوص مسلم خواتین کے ایمان و عقیدہ کی مضبوطی کے لیے خصوصی دعا پر ہوا۔

+9779701714929

روشن منارہ: مقررین نے مفتیِ اعظم ہند کو علم و عمل، تقویٰ و طہارت، عشق و عرفان اور روحانیت کا ایک عظیم اور روشن منارہ قرار دیا۔

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
سید ظہیر احمد فنا

علماء کا خطاب: اس محفل سے ڈاکٹر محمد کاشف رضا شاد مصباحی اور دیگر مقتدر علماء کرام نے خطاب کیا۔ انہوں نے مفتیِ اعظم ہند کی دینی، علمی، اور اصلاحی خدمات کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ مفتی صاحب کی زندگی شریعت و طریقت کا حسین امتزاج تھی۔
تعلیمی مقابلے اور سرگرمیاں
عرس کی اس مناسبت سے دارالعلوم کے طلبہ کے درمیان مختلف علمی و ثقافتی مقابلے انعقاد پذیر ہوئے، جن میں طلبہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا:
نعت خوانی کا مقابلہ: طلبہ نے حضورِ اکرم ﷺ اور مفتیِ اعظم ہند کی بارگاہ میں نعتوں اور منقبتوں کے نذرانے پیش کیے۔
کوئز اور یادداشت کے مقابلے: مفتیِ اعظم ہند کی سیرت، فتاویٰ نویسی، اور احادیثِ مبارکہ پر مبنی سوال و جواب کے مقابلے منعقد کیے گئے۔ انعامات کی تقسیم: مختلف مقابلوں میں پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے کامیاب طلبہ کو اسناد اور قیمتی انعامات سے نوازا گیا۔
شرکائے محفل
اس تقریب میں دارالعلوم کے اساتذہ، مقامی علماء، مشائخ اور کثیر تعداد میں عوام و خواص نے شرکت کی۔ محفل کا اختتام ملک و ملت کی ترقی، امن و امان اور بزرگانِ دین کے فیوض و برکات کے لیے خصوصی دعاؤں پر ہوا

بارش کی اقسام: قدرتی نظام کی حکمتیں اور انسانی زندگی پر اسکے اثرات

تحریر:
ڈاکٹر محمد عبد السمیع ندوی
اسسٹنٹ پروفیسر، مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد
موبائل نمبر: ۹۳۲۵۲۱۷۳۰۶

بارش اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ انسان جب خشک اور بنجر زمین پر بارش کے قطرے گرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کے دل میں امید، سکون اور تازگی کی ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ بارش صرف پانی کے قطروں کا نام نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، قدرت، حکمت اور ربوبیت کی ایک عظیم نشانی ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بارش کا ذکر کیا گیا ہے اور اسے مردہ زمین کو زندہ کرنے والی نعمت قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ"

ترجمہ:
"اور وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔"

بارش انسانی زندگی، زراعت، ماحولیات، حیوانات، نباتات اور پوری کائنات کے نظام کا ایک بنیادی حصہ ہے۔ اگر بارش نہ ہو تو زمین بنجر ہو جائے، دریا خشک ہو جائیں، کھیت اجڑ جائیں اور زندگی کا تسلسل خطرے میں پڑ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بارش کو صرف ایک طبعی عمل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا ہے

قدرتی اعتبار سے بارش کی کئی اقسام ہیں۔ ہر قسم کی بارش اپنے اندر الگ حکمت، فائدہ اور اثر رکھتی ہے۔ بعض بارشیں نرم اور ہلکی ہوتی ہیں، بعض موسلا دھار، بعض مسلسل اور بعض طویل خشک سالی کے بعد رحمت بن کر نازل ہوتی ہیں۔ ان تمام اقسام کا جائزہ لینا انسان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

ہلکی بارش

ہلکی بارش کو عربی میں "الطَّل" کہا جاتا ہے۔ یہ نہایت نرم، لطیف اور آہستہ انداز میں نازل ہونے والی بارش ہوتی ہے۔ اس کی بوندیں باریک ہوتی ہیں اور زمین کو نقصان پہنچائے بغیر اس میں نمی پیدا کرتی ہیں۔ یہ بارش خصوصاً فصلوں، باغات اور سبزہ زاروں کے لیے بہت مفید سمجھی جاتی ہے۔ ہلکی بارش انسان کے مزاج پر بھی مثبت اثر ڈالتی ہے۔ موسم خوشگوار ہو جاتا ہے، گرمی کی شدت کم ہو جاتی ہے اور فضا میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ انسان کے دل میں سکون اور راحت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ گویا یہ بارش خاموش انداز میں زندگی کو سہارا دیتی ہے۔

بونداباندی

بونداباندی درمیانی درجے کی بارش ہوتی ہے جس میں پانی کی مقدار معتدل ہوتی ہے۔ عربی زبان میں اسے "الوابل" کہا جاتا ہے۔ یہ بارش نہ بہت ہلکی ہوتی ہے اور نہ بہت تیز، بلکہ اعتدال کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔ یہی اعتدال اسے فائدہ مند بناتا ہے۔ زراعت کے میدان میں ایسی بارش کو بہت مفید سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے زمین اچھی طرح سیراب ہو جاتی ہے اور فصلوں کی نشوونما بہتر انداز میں ہوتی ہے۔ اس بارش سے نہ صرف کسان خوش ہوتے ہیں بلکہ عام لوگ بھی راحت محسوس کرتے ہیں۔

اسلام ہمیں زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال کی تعلیم دیتا ہے، اور بارش کی یہ قسم بھی اسی اعتدال کی ایک خوبصورت مثال ہے۔

مسلسل بارش

مسلسل بارش کو عربی میں "الوَدَق" کہا جاتا ہے۔ یہ وہ بارش ہے جو کئی گھنٹوں یا کئی دنوں تک جاری رہتی ہے۔ اگر یہ بارش مناسب مقدار میں ہو تو نہایت مفید ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اس سے زمین مکمل طور پر سیراب ہو جاتی ہے، تالاب بھر جاتے ہیں اور زیر زمین پانی کی سطح بلند ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہی مسلسل بارش حد سے بڑھ جائے تو مشکلات پیدا ہونے لگتی ہیں۔ سڑکیں زیر آب آ جاتی ہیں، ٹریفک کا نظام متاثر ہوتا ہے، مکانات کمزور ہو جاتے ہیں اور بعض علاقوں میں سیلابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

یہاں انسان کو یہ سبق ملتا ہے کہ ہر چیز میں اعتدال ضروری ہے۔ ضرورت سے زیادہ نعمت بھی بعض اوقات آزمائش بن جاتی ہے۔

تیز اور موسلا دھار بارش

تیز بارش کو عربی میں "الغَدَق" کہا جاتا ہے۔ یہ شدید رفتار سے برسنے والی بارش ہوتی ہے جس میں پانی کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ایسی بارش سے دریا اور ندی نالے بھر جاتے ہیں، بند ٹوٹ سکتے ہیں اور بعض اوقات شدید سیلاب آ جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ بارش زمین کی پیاس بجھاتی ہے اور پانی کے ذخائر میں اضافہ کرتی ہے، لیکن اس کے نقصانات بھی کم نہیں ہوتے۔ سیلاب کی وجہ سے انسانی جانوں، مویشیوں، فصلوں اور مکانات کو شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔

آج دنیا کے مختلف ممالک میں موسمیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے غیر معمولی بارشیں ہو رہی ہیں۔ کہیں چند گھنٹوں کی بارش پورے شہر کو ڈبو دیتی ہے اور کہیں مہینوں تک بارش نہیں ہوتی۔ یہ تمام حالات انسان کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ قدرتی نظام میں توازن کتنا ضروری ہے۔

خشک سالی کے بعد بارش

خشک سالی کے بعد آنے والی بارش کو عربی میں "الغَیث" کہا جاتا ہے۔ یہ بارش امید، خوشی اور زندگی کا پیغام لے کر آتی ہے۔ جب لوگ بارش نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہو جاتے ہیں، کھیت سوکھ جاتے ہیں، جانور پیاس سے بے حال ہو جاتے ہیں اور ہر طرف مایوسی چھا جاتی ہے، تب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بارش نازل فرماتا ہے۔

ایسی بارش انسان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت کا احساس دلاتی ہے۔ لوگ اللہ کے حضور جھکتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں اور اس کی نعمت پر شکر ادا کرتے ہیں۔

اسلام میں نمازِ استسقاء کا نظام بھی اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ جب بارش نہ ہو تو مسلمان اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نمازِ استسقاء ادا فرمائی اور امت کو یہ تعلیم دی کہ مشکلات کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

بارش کے وقت کی دعائیں

اسلام نے بارش کے وقت مخصوص دعائیں سکھائی ہیں تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرے اور اس کے حضور شکر ادا کرے۔

بارش شروع ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے:
"اللهم صيبا نافعا"
ترجمہ:
"اے اللہ! اسے نفع بخش بارش بنا دے۔" اسی طرح بارش کی ضرورت کے وقت یہ دعا مانگی جاتی ہے:
"اللهم اغثنا غيثا مغيثا هنيئا مريا نافعا غير ضار"
ترجمہ: "اے اللہ! ہمیں ایسی بارش عطا فرما جو مددگار، خوشگوار، فائدہ مند ہو اور نقصان دہ نہ ہو۔"
یہ دعائیں اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ انسان کو ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

بارش اور انسانی نفسیات

بارش کا انسانی نفسیات پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ بارش کے موسم میں ذہنی سکون محسوس کرتے ہیں۔ بارش کی آواز، مٹی کی خوشبو اور ٹھنڈی ہوا انسان کے دل و دماغ پر خوشگوار اثر ڈالتی ہے۔ نفسیات کے ماہرین بھی یہ مانتے ہیں کہ قدرتی مناظر انسان کے ذہنی دباؤ کو کم کرتے ہیں۔ اسی لیے بارش کے بعد انسان کے اندر تازگی اور نشاط پیدا ہوتی ہے۔

بارش اور زراعت

زراعت کا دار و مدار بارش پر ہے۔ کسان بارش کے انتظار میں رہتے ہیں کیونکہ اچھی بارش اچھی فصل کی علامت ہوتی ہے۔ اگر بارش وقت پر ہو تو اناج، پھل اور سبزیاں بہتر پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن اگر بارش بے وقت ہو یا بہت زیادہ ہو جائے تو فصلیں تباہ بھی ہو سکتی ہیں۔

اسی لیے کسان ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ بارش مناسب وقت اور مناسب مقدار میں ہو۔

بارش اور ماحولیات

بارش ماحول کو صاف کرتی ہے۔ گرد و غبار ختم ہو جاتا ہے، درخت دھل جاتے ہیں اور فضا میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ بارش زیر زمین پانی کے ذخائر کو بھی بھرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

لیکن جدید دور میں ماحولیاتی آلودگی اور جنگلات کی کٹائی نے بارش کے نظام کو متاثر کیا ہے۔ کہیں شدید بارشیں ہو رہی ہیں اور کہیں خشک سالی بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ صورتحال انسان کو ماحول کے تحفظ کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

اسلامی تعلیمات اور بارش

اسلام انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ بارش کو محض قدرتی عمل نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نشانی سمجھے۔ قرآن کریم بار بار انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ وہ زمین، آسمان، بادلوں اور بارش کے نظام میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچانے۔

حجۃ العلم مفتی محمد قدرت اللہ رضوی! دبستانِ فیض الرسول کے نامور فرزند

(تحریر: مولانا وارث جمال قادری) صدر: آل انڈیا تبلیغ سیرت، ممبئ (فاضلِ معقول و منقول، حاویِ فروع و اصول، آبروئے علم و فن اور زینتِ دانش کدہ قدیم، حضرت اقدس علامہ مفتی محمد قدرت اللہ رضوی علیہ الرحمہ ایک بے مثل علمی شخصیت کے مالک تھے۔ آپ دارالعلوم اہل سنت تنویر الاسلام (امر ڈوبھا، ضلع سنت کبیر نگر، یوپی) کے شیخ الحدیث، دارالعلوم اہل سنت فیض الرسول (براؤں شریف) کے سابق مفتی و استاذ، اور دارالعلوم اہل سنت علیمیہ (جمداشاہی، ضلع بستی) کے سابق صدر المدرسین و شیخ الحدیث تھے۔ آپ دارالعلوم اہل سنت فیض الرسول، براؤں شریف کے سب سے اعلیٰ ترین اور مایہ ناز پروڈکٹ تھے۔ سیکڑوں افاضلِ فیض الرسول میں آپ سب سے زیادہ قابل، نامور اور ممتاز ترین فاضل، بلکہ سچائی یہ ہے کہ آپ "سرمایۂ فیض الرسول" تھے، جن کے مثل پھر کوئی دوسرا افاضل وہاں سے پیدا نہ ہو سکا۔ آپ اپنے عہدِ طالب علمی میں بھی روحِ فیض الرسول تھے اور جب وہاں تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوئے، تو حضرت علامہ اعظمی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد اساتذہ میں بھی وہی روحِ فیض الرسول بن کر چمکتے رہے۔ فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ کے براؤں شریف سے رخصت ہو جانے کے بعد، آپ نے جب تک بطور مفتیِ فیض الرسول میں خدمات انجام دیں، دارالافتا کے بلند معیار کو کبھی گرنے نہیں دیا۔ بلکہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب عربی زبان میں موصول ہونے والے ایک طویل اور تاریخی استفتا کا جواب دے کر آپ نے بڑے بڑے دارالافتا کے مقابلے میں فیض الرسول کے افتا کا نرخ بالا کر دیا۔ اس تاریخی فتوے نے صدام یونیورسٹی، بغداد کے شیخ الجامعہ کو اس قدر حیرت اور مسرت میں مبتلا کیا کہ وہ بے ساختہ پکار اٹھے: "مَن هُوَ مُفتی قُدرَتُ الله؟ (یہ مفتی قدرت اللہ کون ہیں؟) یہ معرکۃ الآرا استفتا اور اس کا جواب 'یاسین ڈائجسٹ' کانپور کے "عراق نمبر" میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ پورے ملک کے علمی حلقوں میں آپ کے علم و فضل کی دھوم اور درس گاہی شہرت مسلم تھی۔ علامہ مفتی قدرت اللہ رضوی دارالعلوم فیض الرسول کے ایسے دُرِ شہوار تھے کہ زمانہ پھر ایسا دوسرا سپوت پیش نہ کر سکا۔ آپ خود صاحبِ رائے تھے؛ کسی بھی مسئلے پر کافی غور و خوض کے بعد جب کوئی مؤقف اختیار کر لیتے، تو پھر سختی کے ساتھ اس پر قائم رہتے۔ کوئی بھی خارجی دباؤ ان کے مؤقف میں لچک تک پیدا نہیں کر سکتا تھا، تبدیلی تو بہت دور کی بات ہے۔ خانقاہِ فیض الرسول کی سجادہ نشینی کا مسئلہ اس کی ایک بڑی مثال ہے؛ جب انہوں نے ایک بار ایک اصولی مؤقف اختیار کر لیا تو آخر تک اس پر قائم رہے، اور یہی حق گوئی ان کے فیض الرسول سے رخصت ہونے کا سبب بھی بنی <بے حسی کی زرد فصلیں روز ہی کٹتی رہیں <آبرو کا ایک دانہ جانے کن خوشوں میں تھا آپ کی بے کراں علمی شخصیت تو ایک طویل مقالے کی متقاضی ہے، یہ چند سطور ان کی بارگاہ میں بطورِ خراجِ عقیدت پیش ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام دے۔ * آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ *

اداریہ

Editorial

مدارسِ اسلامیہ پر یلغار ہماری ذمہ داریاں

ایڈیٹر کے قلم سے۔۔۔۔۔

دنیا کی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ جب بھی کسی قوم کی شناخت، اس کی تہذیب یا اس کے دینی تشخص کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی تو سب سے پہلے اس کے تعلیمی مراکز کو نشانہ بنایا گیا۔ امتِ مسلمہ کے لیے مدارسِ اسلامیہ صرف تعلیم گاہیں نہیں بلکہ ایمان، تہذیب، اخلاق، کردار اور دینی شعور کے مضبوط قلعے ہیں۔ یہی وہ ادارے ہیں جنہوں نے صدیوں تک قرآن و سنت کی روشنی کو زندہ رکھا، امت کی دینی رہنمائی کی، معاشرے میں امن، رواداری اور اخلاقی اقدار کو فروغ دیا اور ہر دور میں ظلم و جبر کے سامنے حق کی آواز بلند کی۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج نیپال سمیت دنیا کے مختلف خطوں میں مدارسِ اسلامیہ کو شکوک و شبہات کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ کہیں ان پر غیر ضروری پابندیوں کی بات کی جاتی ہے، کہیں ان کی رجسٹریشن کو پیچیدہ بنایا جاتا ہے، کہیں نصاب پر بے جا اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں اور کہیں انہیں معاشرے کے لیے مسئلہ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ رویہ نہ صرف مذہبی آزادی کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہے بلکہ ایک پرامن اور جمہوری معاشرے کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔

نیپال ایک کثیر مذہبی، کثیر الثقافتی اور جمہوری ملک ہے جہاں آئین ہر شہری کو مذہبی آزادی، عبادت اور اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے کا حق دیتا ہے۔ اس آئینی روح کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مذاہب کے تعلیمی مراکز کے ساتھ مساوی، منصفانہ اور باوقار رویہ اختیار کیا جائے۔ اگر کسی بھی مذہبی ادارے کو بلا جواز دباؤ، امتیازی سلوک یا بے اعتمادی کا سامنا کرنا پڑے تو یہ صرف ایک طبقے کا مسئلہ نہیں بلکہ پورے جمہوری نظام کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ مدارسِ اسلامیہ کو صرف بیرونی چیلنجز ہی درپیش نہیں بلکہ اندرونی اصلاح کی ضرورت بھی اپنی جگہ موجود ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ مدارس دینی علوم کے ساتھ عصری تقاضوں، ٹیکنالوجی، قومی قوانین، سماجی ذمہ داریوں اور بین المذاہب ہم آہنگی کے شعور کو بھی فروغ دیں تاکہ ان کے فارغین ہر میدان میں مثبت کردار ادا کر سکیں۔ مضبوط، منظم اور باوقار مدارس ہی اسلام اور مسلمانوں کا بہترین تعارف بن سکتے ہیں۔

اس نازک مرحلے پر ملتِ اسلامیہ کو بھی جذبات کے بجائے حکمت، اتحاد اور بصیرت کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ مساجد، مدارس، دینی تنظیمیں اور سماجی ادارے اگر باہمی اختلافات سے بالاتر ہو کر ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع ہوں تو نہ صرف مدارس کا تحفظ ممکن ہوگا بلکہ مسلمانوں کی تعلیمی، سماجی اور معاشی ترقی کی نئی راہیں بھی کھلیں گی۔ اختلافات کو ہوا دینے کے بجائے مشترکہ مفادات کے لیے متحد ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ہم حکومتِ نیپال سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ آئین میں دی گئی مذہبی آزادی کی مکمل پاسداری کرے، مدارسِ اسلامیہ سمیت تمام مذہبی تعلیمی اداروں کے ساتھ مساوی سلوک روا رکھے، بے بنیاد پروپیگنڈے کی حوصلہ شکنی کرے اور اقلیتوں کے تعلیمی و مذہبی حقوق کا ہر حال میں تحفظ یقینی بنائے۔ اسی طرح دینی قیادت کو بھی چاہیے کہ وہ مدارس کی شفافیت، انتظامی بہتری، معیاری تعلیم اور قومی قوانین کی پاسداری کو اپنی ترجیحات میں شامل کرے۔

نیپال اردو ٹائمز کا مؤقف واضح ہے کہ مدارسِ اسلامیہ کسی قوم کے لیے خطرہ نہیں بلکہ اخلاق، امن، انسان دوستی اور دینی شعور کے مراکز ہیں۔ ان کی حفاظت دراصل مذہبی آزادی، آئینی انصاف اور سماجی ہم آہنگی کی حفاظت ہے۔ اگر معاشرے کے یہ روشن چراغ کمزور کیے گئے تو اس کا نقصان صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ پورے معاشرے کو ہوگا۔

حالات کے تقاضے اور ہماری ترجیحات

از: ابوالعطر محمد عبدالسلام امجدی برکاتی

تاراپٹی، دھنوشا (نیپال)

موجودہ دور میں ہندوستان کا مسلم معاشرہ تاریخ کے نازک ترین اور پرآشوب دور سے گزر رہا ہے، جہاں ایک طرف باطل طاقتیں، شرپسند عناصر اور ہندوتوا تنظیمیں ہمارے ملی وجود کو مٹانے پر تلی ہوئی ہیں، تو دوسری طرف حکومت کی متعصبانہ نگاہیں ہمارے شعائرِ اسلام، مساجد اور مدارس پر ٹکی ہوئی ہیں۔ گزشتہ چند برسوں کے تلخ واقعات گواہ ہیں کہ ملک کے مختلف صوبوں میں ہماری صدیوں پرانی مساجد کو بے دردی سے مسمار کر کے ان پر ناجائز قبضے کر لیے گئے، علم و عرفان کے گہوارے یعنی مدارس کو منہدم کر کے ان پر تالے لٹکا دیے گئے، بیف کے نام پر مسلمانوں کے گھروں، فریج اور کیچن کی تلاشی لے کر انہیں پریشان کیا جا رہا ہے اور مسلم شناخت رکھنے والے معصوم شہریوں کو سفر و حضر میں وحشیانہ ہجوم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ گھروں کی چاردواری کو پامال کر کے بوڑھوں، بچوں اور جوانوں کو زدوکوب اور قتل کیا جا رہا ہے، مسلم طالبات کو جھوٹی محبت کی جال میں پھنسا کر انہیں مرتد بنایا جا رہا ہے، پھر کچھ عرصہ بعد انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا ہے یا مار دیا جاتا ہے۔ جبکہ قوم کی مخلص اور اہم ترین علمی و سیاسی شخصیات کو جھوٹے مقدمات میں سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا ہے۔ ظلم و بربریت کا یہ نہ رکنے والا سلسلہ ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید ہولناک ہوتا جا رہا ہے، اور یہ سنگین حالات ہم سے گہرے شعور، آہنی اتحاد، اور شریعت و قانون کے دائرے میں رہ کر ایک مضبوط اور منظم حکمتِ عملی کا تقاضا کرتے ہیں تاکہ ہم اپنی بقا اور تشخص کی حفاظت کر سکیں۔

مگر انتہائی افسوس کا مقام یہ ہے کہ ان روح فرسا اور ناگفتہ بہ حالات کے باوجود ملتِ اسلامیہ کی ترجیحات یکسر بدل چکی ہیں اور قوم کا بڑا طبقہ غفلت کی گہری نیند سو رہا ہے۔ جب مساجد و مدارس پر بلڈوزر چل رہے ہوں، اس وقت مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد عرس، قوالی اور غیر ضروری رسومات کی چمک دمک میں کھوئی ہوئی ہے، بے وقت کے مزاحیہ (کامیڈین) جلسوں اور رنگ برنگی لایعنی شاعری سے آراستہ کانفرنسوں میں کروڑوں روپے اور قیمتی وقت برباد کیا جا رہا ہے۔ اس سے بھی زیادہ دلدوز منظر تعزیہ داری کی بدعات و خرافات کا ہے، جہاں معاذ اللہ امام حسین اور شہدائے کربلا کی جھوٹی محبت کا لبادہ اوڑھ کر میلوں کا انعقاد کیا جاتا ہے اور ان محافل میں مسلم خواتین اور جوان لڑکیوں کے رقص و سرور اور بے پردگی کے مناظر نے غیرتِ ایمانی کا جنازہ نکال دیا ہے۔ وقت کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ قوم دشمن ہماری جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں اور ہم بدعات، تماشوں اور عیش و طرب کے میلوں میں مگن ہیں۔

مساجد کی ویرانی اور مدارس پر لٹکتے تالے ہماری ایمانی غیرت اور حمیت کو جھنجھوڑ رہے ہیں، مگر ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے بیداری کے بجائے غفلت اور عیش کوشی کا راستہ چن لیا ہے۔ جو قومیں اپنے وجود کی جنگ لڑ رہی ہوتی ہیں، وہ عیاشیوں، تماشوں اور نام نہاد میلوں میں اپنا وقت اور پیسہ برباد نہیں کرتیں، بلکہ اپنے بچوں کے محفوظ مستقبل، بلند معیارِ تعلیم اور قانونی دفاع کے لیے دن رات ایک کر دیتی ہیں۔ وقت کی پکار یہ ہے کہ ہم بدعات و خرافات کے بندھنوں کو توڑ کر، اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور ان فضول خرچیوں کو روک کر اس سرمائے کو مظلوموں کی قانونی امداد، غریب بچوں کی اعلیٰ تعلیم اور قوم کی اقتصادی خودمختاری پر خرچ کریں۔ اگر آج بھی ہم نے خوابِ خرگوش سے جاگ کر اپنی ترجیحات کو دینِ مبین کے حقیقی احکامات، انسانی خدمات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق استوار نہ کیا، تو ہمارے شعائر کی پامالی کا یہ دردناک منظر نامہ مزید ہولناک ہو جائے گا۔

موجودہ پرآشوب حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ کے تمام قائدین، قیادت کے دعویداروں، فکری و علمی صلاحیت رکھنے والے افراد اور قوم کی بااثر شخصیات کو اب اپنے ذاتی اختلافات، فروعی نزاعات اور فکری جمود کو بالائے طاق رکھ کر ایک پلیٹ فارم پر متحد و منظم ہونا ہوگا۔ صرف بیانات اور کاغذی ہمدردی کا وقت گزر چکا ہے، اب ان مخلص رہبروں کو پرعزم ہو کر میدانِ عمل میں اترنا ہوگا تاکہ ملت کو انتشار، بدعات اور فکری زوال کی دلدل سے نکال کر ایک واضح اور مضبوط لائحہ عمل دیا جا سکے۔ قوم کی درست اور حقیقی قیادت کا حق تبھی ادا ہو سکتا ہے جب یہ بااثر طبقات عوام کی صحیح خطوط پر فکری و تعلیمی تربیت کریں، انہیں شرپسند عناصر کی چالوں سے باخبر رکھیں اور اپنی جرأت مندانہ رہنمائی سے مایوسی کے ان اندھیروں میں امید اور بیداری کی ایک نئی شمع روشن کریں۔

اگر ہم اپنے ملک عزیز نیپال کی بات کریں تو یہ حقیقت بھی اربابِ حل و عقد اور عامۃ المسلمین سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہاں بھی امن و امان اور رواداری کی فضا نے کروٹ لے لی ہے۔ وہ نیپال جو کبھی مذہبی ہم آہنگی اور محبت کی خوشبو سے مہکتا تھا، آج وہاں کی فضا ہندوتوا اور نیپالی ہندو شدت پسند تنظیموں کی زہر افشانی کی وجہ سے آلودہ ہو رہی ہے۔ مسلم دشمن نظریات بڑی تیزی سے عام ذہنوں پر مسلط کیے جا رہے ہیں اور نفرت پر مبنی اس بدبودار ماحول کی آہٹ نے نیپال کے باشعور مسلم افراد اور سنجیدہ شخصیات کی نیندیں اڑا دی ہیں۔ مگر حیرت اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ اس شدید خطرے کے باوجود یہاں کے مسلمانوں میں خوابِ غفلت کا سلسلہ حد سے زیادہ دراز ہو چکا ہے۔ ملت کے دانشور، مخلص مدبرین اور حالات کی سنگینی سے آگاہ مفکرین جب بھی امت کو بیدار کرنے اور آنے والے طوفان سے خبردار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو نادان اور بے لگام عوام انہیں مخلص رہبروں کو کوسنے لگتی ہے، انہی کے خلاف زہر افشانی کرتی ہے اور اپنے ہی محسنوں کو اپنا دشمن تصور کر بیٹھتی ہے۔

اس فکری زوال کا سب سے ہولناک منظر نیپال کے طول و عرض میں محرم الحرام کے دوران دیکھنے کو ملتا ہے، جہاں تعزیہ داری کے نام پر سینکڑوں محرمات، بدعات اور حیا سوز خرافات کھلے عام انجام دی جا رہی ہیں۔ معاذ اللہ! نواسۂ رسول امام حسین رضی اللہ عنہ اور شہدائے کربلا کی مقدس محبت کے نام پر ایسے ایسے شرمناک میلے اور تماشے منعقد کیے جاتے ہیں جو پورے مسلم معاشرے کو سرِ بازار شرمندہ کر دیتے ہیں۔ عورتیں اور نوعمر لڑکیاں حیا کو تار تار کر دینے والے لباس میں ملبوس ہو کر کپڑوں کی نمائش کے ساتھ جسم کی نمائش میں بھی کئی قدم آگے غیروں سے نکل چکی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ جب نیپال کے جید علماء اور مخلص اہل علم ان گمراہ کن رسومات، بے پردگی اور رقص و سرور کے طوفان بدتمیزی کو روکنے کے لیے عوام کو محبت و شفقت سے سمجھاتے ہیں، تو جاہلانہ ضد میں آکر یہ عوام الٹا انہی حق گو علماء کو کھری کھوٹی سنانے اور انہیں دین سے خارج کرنے پر تل جاتی ہے۔ نیپال کے مسلمانوں کو بھی یہ سمجھنا ہوگا کہ نیپال میں بھی انتہا پسندی کا مقابلہ آپس کے انتشار، جاہلانہ تعصب اور بدعات کے میلوں سے نہیں کیا جا سکتا، اگر اب بھی انہوں نے اپنے مخلص قیادت اور علماء کی پکار پر لبیک نہ کہا اور اپنی ترجیحات کو بدعات سے بدل کر خالص اسلام اور تعلیمی بیداری کی طرف نہ موڑا، تو نیپال میں بھی مسلم تشخص پر تلوار لٹکی رہے گی۔ نیز اگر یہاں بھی اہل علم، مشائخ اور عوام میں بااثر شخصیات نے ترجیحات کو نہیں بدلا تو پھر وہ وقت بھی دیکھنے کو ملے گا جب افسوس کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اس لئے ہندوستان کے مسلمان ہوں یا کہ نیپال کے اپنی ترجیحات کو بدلیں، حالات کا جائزہ لیں، وقت کا تقاضا کیا ہے، دور حاضر کے چیلینجز کیا ہیں اور ان حالات میں ہمیں کس حکمت عملی کے ساتھ اپنے شعائر اور اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے اقدام کرنا ہے ان پر غور و فکر کریں اور عملی طور پر میدان میں اتریں۔

سوشل میڈیا اور امت مسلمہ کا مفتی کلچر

ڈاکٹر سلیم انصاری جھاپا نیپال

اسلام بنیادی طور پر دعوت، خیر خواہی اور اصلاح کا دین ہے۔ قرآن مجید انسانوں کو حکمت، حسنِ اخلاق اور بہترین اندازِ گفتگو کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کی تعلیم دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی اس حقیقت کی روشن مثال ہے کہ آپ نے لوگوں کے دل جیتے، انہیں دین سے جوڑا اور غیر ضروری سختی یا تحقیر کو کبھی اپنا طریقہ نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا: "اگر آپ سخت مزاج اور سنگ دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔" (آل عمران: ۱۵۹)

نبی کریم ﷺ کی دعوتی زندگی اس حقیقت کی بہترین مثال ہے۔ طائف میں آپ ﷺ کو پتھر مارے گئے، جسم مبارک لہولہان ہو گیا، مگر جب فرشتۂ نے ان لوگوں کو ہلاک کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے۔ یہ فتویٰ نہیں بلکہ دعوت کا مزاج تھا۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے سامنے وہی لوگ کھڑے تھے جنہوں نے آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا، آپ کے ساتھیوں پر ظلم کیا اور برسوں جنگیں مسلط کیں۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے فرمایا: "آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔" انتقام کے بجائے معافی نے ہزاروں دلوں کو اسلام سے جوڑ دیا۔ اسی طرح مسجد میں پیشاب کرنے والے دیہاتی کو صحابہؓ نے روکنا چاہا، مگر آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا اور بعد میں نہایت شفقت سے اس شخص کو سمجھایا کہ مسجد اللہ کی عبادت کے لیے ہے۔ اگر اس موقع پر سختی کی جاتی تو شاید وہ شخص دین سے متنفر ہو جاتا۔

ایک نوجوان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زنا کی اجازت طلب کی۔ صحابہؓ سخت ناراض ہوئے، لیکن آپ ﷺ نے اسے اپنے قریب بٹھایا، محبت سے اس کی رہنمائی کی، اس کے دل کو مخاطب کیا اور اس کے لیے دعا فرمائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ گناہ سے نفرت کرنے لگا۔ یہ اسلوب ہمیں سکھاتا ہے کہ اصلاح دلائل، محبت اور خیر خواہی سے ہوتی ہے، محض سخت الفاظ سے نہیں۔

لیکن افسوس کہ سوشل میڈیا کے دور میں ایک نیا رجحان تیزی سے فروغ پا رہا ہے جسے "مفتی کلچر" کہا جا سکتا ہے۔ آج ہر شخص اپنے موبائل فون کے ذریعے حلال و حرام، ایمان و کفر اور صحیح و غلط کے فیصلے سنانے لگا ہے۔ چند ویڈیوز، چند پوسٹس یا چند اقتباسات پڑھ لینے کے بعد بعض لوگ خود کو ہر مسئلے میں شرعی رائے دینے کا اہل سمجھنے لگتے ہیں۔

رجحان صرف عام مسلمانوں تک محدود نہیں رہا بلکہ بعض اوقات ایسے علماء، مقررین اور خطباء بھی ہر نئے واقعے پر فوری فتویٰ دینے لگتے ہیں جن کا اصل میدان دعوت، تدریس یا خطابت ہے، نہ کہ افتاء۔ اس جلد بازی کا نتیجہ یہ ہے کہ امت میں علمی احتیاط کم اور باہمی اختلافات زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔

اسلام نے فتویٰ کو ایک نہایت حساس ذمہ داری قرار دیا ہے۔ فتویٰ محض ذاتی رائے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی ترجمانی ہے، اس لیے اس کے لیے قرآن و سنت، فقہ، اصولِ فقہ، عربی زبان اور حالاتِ زمانہ پر گہری مہارت ضروری ہے۔ اسلافِ امت فتویٰ دینے میں غیر معمولی احتیاط کرتے تھے اور اگر کسی مسئلے میں تردد ہوتا تو اسے اپنے سے زیادہ اہل عالم کی طرف منتقل کر دیتے۔ انہیں اپنی مقبولیت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کی فکر ہوتی تھی۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ عام مسلمان سوشل میڈیا پر فتویٰ دینے، لوگوں کے ایمان و کردار پر فیصلے صادر کرنے اور ہر اختلاف کو دین کا بنیادی مسئلہ بنانے سے اجتناب کریں۔ اسی طرح عام علماء، ائمہ، خطباء اور مقررین بھی ہر مسئلے میں فتویٰ دینے کے بجائے اہل افتاء کی طرف رجوع کریں۔ ہر عالم قابلِ احترام ہے، لیکن ہر عالم مفتی نہیں ہوتا۔ افتاء ایک مستقل تخصص ہے جس کے لیے برسوں کی علمی تیاری اور عملی تربیت درکار ہوتی ہے۔

اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہر مسلمان داعی بن سکتا ہے۔ اچھے اخلاق، خیر خواہی، نرمی، علم کی صحیح بات آگے پہنچانا اور لوگوں کو اللہ سے جوڑنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، لیکن ہر شخص مفتی نہیں بن سکتا۔

اگر ہم اس فرق کو سمجھ لیں تو بہت سے تنازعات خود بخود ختم ہو جائیں۔

آج امت کو فتووں سے زیادہ داعیوں کی ضرورت ہے؛ ایسے داعی جو لوگوں کے دل جیتیں، نوجوانوں کو دین سے قریب کریں، اختلاف کے باوجود احترام سکھائیں اور رسول اللہ ﷺ کے رحمت بھرے اسلوب کو زندہ کریں۔ اگر ہم سوشل میڈیا کے مفتی کلچر کے بجائے دعوتی کلچر کو فروغ دیں، اختلاف کے بجائے خیر خواہی کو اپنائیں اور فتویٰ کو اس کے اصل اہل کے سپرد کر دیں، تو یقیناً امت کے بہت سے فکری اور سماجی مسائل کم ہو سکتے ہیں۔ یہی قرآن و سنت کا مزاج، اسلافِ امت کا منہج اور امت کی وحدت و اصلاح کا راستہ ہے۔

محرر کے بارے میں

ڈاکٹر سلیم انصاری بن الکاس انصاری کا تعلق جھاپا، نیپال سے ہے۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ، براٹ نگر سے دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ سن ۲۰۰۸ میں جامعہ الفلاح سے عالمیت کی سند حاصل کی اور ۲۰۰۹ میں دارالعلوم دیوبند (قدیم) سے دورۂ حدیث مکمل کیا۔

اعلیٰ عصری تعلیم کے لیے انہوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی سے عربی میں گریجویشن کیا، جبکہ ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں جواہر لال نہرو یونیورسٹی (جے این یو)، دہلی سے حاصل کیں۔

پیشہ ورانہ طور پر ڈاکٹر سلیم انصاری ایک تجربہ کار مترجم اور ماہرِ لغت ہیں، جو بنیادی طور پر عربی، انگریزی، اردو اور نیپالی زبانوں میں کام کرتے ہیں۔ انہیں ترجمہ اور مراجعہ (ریویو/ایڈیٹنگ) کے میدان میں دس برس سے زائد کا وسیع تجربہ حاصل ہے۔ انہوں نے ٹی سی ایس اور ایکسینچر جیسی عالمی و کارپوریٹ کمپنیوں میں سینئر عربی دان اور ٹیم لیڈ کے طور پر خدمات انجام دیں۔ فی الوقت وہ مختلف قومی و بین الاقوامی اداروں اور کمپنیوں کو اعلیٰ معیار کی ترجمہ اور مراجعہ کی خدمات فراہم کر رہے ہیں۔

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

02/جولائی 2026 مطابق 16/ محرم الحرام 1448ھ 18 گتے اساڑ 2083

استقامت و حق گوئی درس حسینی ہے؛ حضور مفتی اعظم نے اسی کی ترویج فرمائی

"پیغام شہید اعظم و عرس مفتی اعظم" میں مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی کا جامع خطاب

مالیگاؤں: ہم یادِ امام حسین و ذکر شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم کی محفلیں ہم سجاتے ہیں- شہادت جیسے عظیم الشان رتبہ و نعمت پر اظہارِ تشکر کیا جاتا ہے؛ کہ آقا کریم ﷺ کے شہزادوں نے شریعتِ مطہرہ کی حفاظت کے لیے استقامت کا درس دیا۔ امام حسین سے ہمیں ثابت قدمی کا درس ملتا ہے؛ امام حسین کی ایک فضیلت استقامت ہے؛ شریعتِ مصطفیٰ ﷺ پر استقامت کا درس امام نے دیا؛ کربلا سے استقامت لیجیے جان جاتی ہے جائے نماز نہ چھوڑی جائے۔ استقامت کا حصہ بارگاہِ امام حسین سے مفتی اعظم کو ملا- حق گوئی و بیباکی کا جوہر مفتی اعظم کو کربلا سے ملا- حق گوئی وطیرہ رہا ہے اہل حق کا۔ اس طرح کا اظہارِ خیال ۲۸؍ جون ۲۰۲۶ء اتوار کی شب اعلیٰ حضرت ریسرچ سینٹر پر خلیفۂ تاج الشریعہ محقق اہل سنّت مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی نے فرمایا۔ آپ نے شہادت امام حسین سے ملنے والے درس پر بصیرت افروز گفتگو کی اور اس درس مبارک کی ترویج میں حضور مفتی اعظم علامہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری علیہ الرحمۃ کی پاکیزہ حیات کو متعدد حوالوں سے اجاگر فرمایا۔ آپ نے اعلیٰ حضرت ریسرچ سینٹر کے تناظر میں کہا کہ زمینی سطح پر مالیگاؤں سے قابل قدر کام انجام دیے جارہے ہیں- اعلیٰ حضرت ریسرچ سینٹر، نوری مشن کے ذریعے اکابر کی تحریریں شائع ہو کر علمی دنیا میں پہنچ رہی ہیں- اشاعت کتب سلف و فروغ مسلکِ اعلیٰ حضرت میں نوری مشن کا بڑا کردار رہا ہے- ازیں قبل مفتی محمد نعیم رضا مصباحی نے بارگاہِ مفتی اعظم میں نذرانۂ منقبت پیش کیا۔ مفتی عبیداللہ خان مصباحی نے فلسفۂ شہادت کے تناظر میں اجمالاً کہا کہ شریعت مطہرہ کے تحفظ کے لیے جو شہادت امام حسین نے اپنے عزیزوں کے ساتھ پیش کی اس نے اسلام کو حیاتِ تازہ دی۔ اس اہم نشست کا آغاز حافظ اعجاز رضا کی قراءت سے ہوا۔ بعدہٗ موصوف نے نعت خوانی کی۔ محمد ہاشم رضا نے مناقب کے گل ہائے محبت نذر کیے۔ سلام ودعا پر بزم کا اختتام ہوا۔

خصوصی شرکا میں مولانا فہیم رضا، محمد افضل غازیانی، پروفیسر حامد رضا انصاری، قاری محمد اسماعیل اشرفی، عبدالرشید پٹھان، ماسٹر عبدالخالق، حافظ محمد اطہر، حافظ محمد شعبان رضا، قاری شبیر رضوی، حاجی محمد امین رضوی، محمد یوسف تابانی، فاروق تابانی، وسیم رضوی، عتیق رضوی، انجم رضوی موجود تھے۔ یوں ہی فرید رضوی، نعیم رضوی، معین پٹھان رضوی، شاداب رضوی، یاسین رضوی، سعد رضوی، آصف رضوی، شہزاد برکاتی، شعیب رضوی و دیگر احباب نے انتظامی امور بحسن وخوبی انجام دیے- فری تقسیم کتب کے کاؤنٹر سے لٹریچر زعام ہوئے- جب کہ اس دورے میں مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی صاحب نے متعدد اداروں کا دورہ بھی فرمایا- ایسی رپورٹ نوری مشن سے ارسال کی گئی۔

دین خدا کی شان بڑھائی حسین نے!

تحریر۔۔۔ جاوید اختر بھارتی
javedbharti508@gmail.com

نواسہ رسول سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دین اسلام کی سربلندی کے لئے پورے خاندان کو قربان کردیا دیکھا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قربانیوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تو میدان کربلا میں آکر مکمل ہوا آج سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ پورے عالم انسانیت کے لئے مرکز عقیدت ہیں جب یزید تخت خلافت پر بیٹھا تو اس نے حضرت امام حسین سے بیعت کرنے کو کہا اس بات کا تو اسے بھی احساس تھا کہ میں کہاں اور امام حسین کہاں مگر چونکہ وہ نظام شریعت میں تبدیلی کا خواہاں تھا اور اسے اس بات کا تو ضرور احساس رہا ہوگا کہ نواسہ رسول کے جیتے جی یہ کام آسان نہیں ہے تو کیوں نہ امام عالی مقام سے ہی بیعت لی جائے اگر وہ بیعت کرلیں گے تو پھر ہمیں خود بخود سرٹیفکیٹ حاصل ہوجائے گا اور اگر بیعت نہیں کریں گے تو زبردستی بیعت لی جائے گی پھر بھی نہیں مانیں گے تو انہیں قتل کردیا جائے گا اس کے بعد ہمارا راستہ آسان ہوجائے گا لیکن سچائی تو یہ ہے کہ یزید بھلے ہی مورچہ جیتا ہے مگر جنگ ہارا ہے، اس کی پالیسیوں کی موت ہوئی ہے، اس کے نظریات موت کے گھاٹ اتر گئے اسے نواسہ رسول کا احترام نہیں رہا، اہل بیت کا احترام نہیں رہا یہ بھی روایت مشہور ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی پاک سے بتا بھی دیا تھا کہ آپ کی امت آپ کے نواسے کو قتل کردے گی بعض علماء کرام بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل امین نے کربلا کی مٹی لاکر دی اور کہا کہ یہ مٹی جس دن سرخ ہوجائے گی سمجھو امام حسین شہید کردیئے گئے- یزید تخت نشین ہوتے ہی ہر طرف اپنی بیعت کے لئے خطوط و حکمنامے روانہ کرنا شروع کردیا مدینہ منورہ کے گورنر ولید بن عقبہ تھے یزید نے ان کو اپنے باپ کے انتقال کی خبر لکھی اور لکھا کہ ہر خاص وعام سے میری بیعت لو،، حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے پہلے بیعت لو ان لوگوں کو ایک لمحے کی مہلت نہ دینا یزید کے حکمنامے سے ولید گھبرا گیا کیونکہ ان لوگوں سے بیعت لینا آسان نہیں تھا،، مشورہ کے لئے مروان بن حکم کو بلایا،، مروان بن حکم وہ شخص ہے کہ جب اس کی پیدائش ہوئی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحنیک (کوئی چیز چبا کر نرم کرکے کھلانے کے لئے لایا گیا تو نبی پاک نے فرمایا ھوالوزع بن الوزع یہ گرگٹ کا بیٹا گرگٹ ہے،، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کے باپ حکم پر لعنت فرمائی جبکہ مروان صلب پدر میں تھا تو وہ بھی اللہ کی لعنت سے حصہ پانے والا ہوا،،

قارئین کرام وہ مروان کہ اس کو اور اس کے باپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کہا اور جس کے باپ پر لعنت بھیجی اور شہر بدر بھی کیا ایسے مروان سے بھلا خیر کی امید کیا ہوسکتی ہے اسی مروان کا مشورہ تھا کہ اے ولید ان تینوں کو بیعت کے لئے بلاؤ اور وہ بیعت کر لیتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان تینوں کو قتل کردو- ولید نے تینوں حضرات کو بلایا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چند جوانوں کو ساتھ لے کر گئے مکان کے باہر ان کو کھڑا کردیا اور فرمایا کہ اگر تم لوگ میری اونچی آواز سننا تو فوراً اندر آجانا اور جب تک میں باہر نہ آجاؤں یہاں سے ہرگز نہ جانا،، پھر اندر تشریف لے گئے ولید نے امیر معاویہ کی وفات کی خبر سنائی اور یزید کی بیعت کے لئے کہا امام عالی مقام نے کہا کہ میرے جیسا آدمی چھپ کر چپکے سے بیعت نہیں کرسکتا آپ باہر نکل کر سب لوگ سے بیعت طلب کریں تو ان کے ساتھ مجھ سے بھی بیعت کے لئے کہیں ولید امن پسند شخص تھا اس نے کہا کہ اچھا آپ تشریف لے جائیں جب امام عالی مقام چلنے لگے تو مروان نے کہا کہ اے ولید تم نے ان کو جانے کیوں دیا اب تم ان پر قابو نہ پاسکو گے اچھا ہوگا کہ ان کو قتل کردو یہ سن کر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ او: ابن الزرقا کیا تو مجھے قتل کرے گا یا یہ مجھے قتل کریں گے خدا کی قسم تو جھوٹا اور کمینہ ہے،،

مروان نے ولید سے پھر کہا کہ آپ نے میری بات نہیں مانی اب آپ ان پر قابو نہ پاسکیں گے قتل کرنے کا بہترین موقع آپ نے ضائع کردیا،، ولید نے کہا کہ افسوس تم مجھے ایسا مشورہ دے رہے ہو جس میں میرے دین وایمان کی تباہی ہے،، کیا میں نواسہ رسول کو اس وجہ سے قتل کردیتا کہ انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی،، رب ذوالجلال کی قسم اگر مجھے ساری دنیا کا مال و متاع مل جائے تو بھی میں ان کے خون سے اپنے ہاتھوں کو آلودہ ہرگز نہیں کرسکتا- سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب جانتے تھے کہ بیعت کے انکار سے یزید بدبخت جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہوجائے گا لیکن آپ کی غیرت اور تقویٰ و پرہیزگاری نے اجازت نہ دی کہ اپنی جان بچانے کے لئے نااہل کے ہاتھ پر بیعت کرلیں اور نواسہ رسول ہوکر دین اسلام اور مسلمانوں کی تباہی کی پروا نہ کریں،، اگر آپ یزید کی بیعت کرلیتے تو وہ آپ کی قدرومنزلت ضرور کرتا اور دنیا کی بے شمار دولت آپ کے قدموں میں ڈال دیتا لیکن یزید کی بدکاریوں کے جواز کے لئے آپ کی بیعت سند ہوجاتی اور اسلام کا نظام درہم برہم ہوجاتا اور دین میں ایسا فساد برپا ہوتا کہ جس کا دور کرنا ناممکن ہوجات اس لئے لئے امام عالی مقام نے یزید کی بیعت ٹھکرا دی اور صبر و استقامت کی چٹان بن کر دین اسلام کو گل و گلزار بنایا دہشتگردی کے خلاف آواز بلند کیا شریعت کے تقدس کو پامال ہونے سے بچانے کے لئے بہتر سروں کا نذرانہ پیش کیا اور جام شہادت نوش فرماکر دین خدا کی شان کو بڑھادیا یوم عاشورہ کا مقام اور بلند کردیا یعنی یومِ عاشورہ کی عظمت و فضیلت میں اضافہ ہوگیا راہ خدا میں پورا کنبہ قربان کرکے صبحِ قیامت تک کے لئے سیدنا امام حسین علیہ السلام نے پیغام دیدیا کہ جینا مرنا اللہ کے لئے ہونا چاہئے ہمارے جان ومال کی حفاظت و سلامتی سے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ دین سلامت رہے، رب کا قرآن سلامت رہے، نبی کا فرمان سلامت رہے اور یہ سب کچھ صحیح حالت میں باقی رہے اسی لئے کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر بھوکے پیاسے رہ کر شہادت کا جام پیا-

جب فجر کی نماز کے لئے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کی طرف جارہے تھے تو ظالم نے حملہ کیا اس وقت انہوں نے کہا تھا کہ اللہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا ٦١ ہجری میں حضرت علی کے لخت جگر فاطمہ زہرا کے نور نظر سیدنا امام حسین نے سجدہ کیا شمر لعین نے سر مبارک کو تن سے جدا کردیا پھر خیموں میں آگ لگائی گئی لاشوں کو گھوڑوں سے روندا گیا سروں کو نیزوں پر ٹانگ کر جلوس نکالا گیا امام عالی مقام کا سر سب سے اوپر تھا،، سر کٹنے کے بعد بھی نیزے پر بلند ہوکر اسلام کی صداقت کا اعلان کررہا تھا،، اب یزید اپنے بارے میں سوچے یزیدی لشکر اپنے بارے میں سوچے اور یزید کا دفاع کرنے والے اپنے بارے میں سوچیں کہ حوض کوثر پر حسین کے نانا کا قبضہ ہوگا اور جنت کے جوانوں کے سردار بھی امام حسین ہی ہوں گے تم کس منہ سے حوض کوثر پر جاؤ گے اور کس منہ سے حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرداری میں جنت میں جاؤ گے

زندگی بخش دی بندگی کو آبرو دین حق کی بچالی
محمد کا پیارا نواسہ جس نے سجدے میں گردن کٹالی
قربان ہوکے فاطمہ زہرا کے چین نے
دین خدا کی شان بڑھائی حسین نے

جاوید اختر بھارتی (نائب صدر اشرفیہ لائبریری) محمد آباد گوہنہ ضلع مئو یوپی

اصاغر نوازی کے پیکر: حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ

از قلم:
محمد ابوہریرہ رضوی مصباحی
(رام گڑھ_ جھارکھنڈ)

اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو ایسی ہمہ گیر صفات سے نوازتا ہے کہ وہ صرف اپنے علم و فضل ہی سے ممتاز نہیں ہوتے بلکہ اپنے حسن اخلاق، شفقت، تواضع، خلوص اور اصاغر نوازی کی وجہ سے بھی دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں اکابر علما کی زندگی کا مطالعہ اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ انھوں نے اپنے علمی مقام کو کبھی نوآموز طلبہ اور مبتدی اہل علم سے فاصلہ پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ ان کی تربیت، حوصلہ افزائی اور دلجوئی کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھا۔ انہیں مبارک ناموں میں سے ایک نمایاں اور ممتاز نام حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔

آپ کی پوری زندگی علم و عمل کے ساتھ اصاغر نوازی، شفقت اور حسن تربیت کا حسین مرقع تھی۔

اسلام نے بڑوں کو چھوٹوں پر شفقت اور چھوٹوں کو بڑوں کے احترام کی تعلیم دی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا. یعنی جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی عزت نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں ۔(ترمذی شریف، ۳/۳۶۹، حدیث: ۱۹۲۷)

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے اس نبوی تعلیم کو اپنی عملی زندگی میں اس حسن کے ساتھ اپنایا کہ ہر چھوٹا، ہر طالب علم اور ہر نوخیز قلم کار ان کی شفقت کا معترف ہے۔

حضرت کی مجلس میں بیٹھنے والا ہر شخص اس بات کا گواہ ہے کہ آپ کے دروازے پر کسی کے لیے اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ طالب علم ہو یا عام آدمی، نوآموز قلم کار ہو یا کسی علمی سفر کا ابتدائی مسافر، سب کو یکساں محبت، عزت اور خندہ پیشانی سے نوازتے۔ ان کی گفتگو میں شفقت، انداز میں نرمی اور لہجے میں ایسی مٹھاس ہوتی تھی کہ مخاطب بے ساختہ ان سے مانوس ہوجاتا۔

نوخیز قلم کاروں کے محسن

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ وہ نئی نسل کے قلم کاروں کی بے حد حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ کسی کی تحریر میں خامی دیکھتے تو اس کی اصلاح کرتے، اسلوب سنوارتے اور مناسب تعبیرات تجویز فرماتے۔ ان کی تنقید کبھی دل شکنی کا سبب نہ بنتی بلکہ اصلاح اور تربیت کا بہترین ذریعہ ثابت ہوتی تھی۔ مطالعہ کے لیے مناسب کتابیں تجویز کرتے، نوآموز قلم کاروں کی تحریریں ملاحظہ فرماتے اور قدم قدم پر رہنمائی کرتے.

انکساری کا بے مثال نمونہ:

بلند علمی مقام اور وسیع مقبولیت کے باوجود حضرت میں تکبر یا خود نمائی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ہر آنے والے سے نہایت خوش اخلاقی سے ملتے، چھوٹوں کو اپنے قریب بٹھاتے، ان کی بات پوری توجہ سے سنتے اور ان کی حتی المقدور اصلاح فرماتے بالخصوص قلمی میدان میں بہترین رہنمائی فرماتے۔ یہی انکساری ان کی شخصیت کا وہ روشن پہلو تھا جس نے ہزاروں قلوب کو ان کا گرویدہ بنادیا۔

سالنامہ باغ فردوس کے لیے مفید مشوروں سے نوازا کرتے:

جامعہ اشرفیہ میں زمانۂ طالب علمی کے دوران متعدد بار حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہونے اور دفتر ماہنامہ اشرفیہ جانے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ حاضریاں محض رسمی نہ تھیں بلکہ ہر بار علم و ادب اور تربیت کا ایک نیا سرمایہ ہاتھ آتا تھا۔

خصوصاً ان ایام میں جب "سالنامہ باغ فردوس" کا مجدد دین اسلام نمبر، مجتہدین اسلام (جلد اول _ دوم) اور فروغ رضویات میں فرزندان اشرفیہ کی خدمات جیسی ضخیم اور وقیع تصنیفات زیر ترتیب تھیں، حضرت کی خدمت میں حاضری نسبتاً زیادہ رہتی تھی۔ ان علمی منصوبوں کے سلسلے میں آپ نہایت شفقت کے ساتھ مفید مشوروں، قیمتی رہنمائی اور بصیرت افروز تجاویز سے نوازتے، جو ہمارے لیے سرمایۂ افتخار اور باعث رہنمائی تھی۔

حضرت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ ہر علمی و تحقیقی کاوش کی دل کھول کر حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ مذکورہ کتابوں اور رسائل کے لیے آپ نے اپنے گراں قدر تاثرات بھی تحریر فرماتے، جو آج بھی ان مطبوعات کی زینت ہیں۔ آپ کے الفاظ محض رسمی تبصرے نہیں ہوتے تھے بلکہ خلوص، محبت اور دل سوزی سے لبریز ہوتے تھے۔ نوخیز اہل قلم کی معمولی سی کاوش کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے، ان کی ہمت بندھاتے اور مزید آگے بڑھنے کا حوصلہ عطا فرماتے۔

راقم جیسے بے بضاعت طالب علم کو بھی حضرت نے ہمیشہ اپنی شفقتوں سے نوازا۔ میری معمولی خدمات پر غیر معمولی محبت کا اظہار فرماتے، حوصلہ افزائی کے ایسے دل نشیں کلمات ارشاد فرماتے کہ کام کرنے کا جذبہ کئی گنا بڑھ جاتا۔

حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ مشفقانہ انداز میں نصیحت فرمایا کرتے تھے:

"ابھی آپ لوگ جوان ہیں، جو کچھ کرنا ہے، اسی عمر میں کر گزریں۔ جوانی عمل، محنت اور خدمت کا بہترین زمانہ ہے۔ جب عمر ڈھل جاتی ہے تو نہ قوت باقی رہتی ہے، نہ وہ ہمت اور نہ وہ فرصت۔ پھر انسان بہت کچھ کرنا چاہتا ہے، مگر جسم اور حالات اس کا ساتھ نہیں دیتے۔ اس لیے فرصت شباب کو غنیمت جانیں اور علم و دین کی خدمت میں بھرپور محنت کریں. آپ لوگوں سے بہت امیدیں وابستہ ہیں۔

حضرت کی یہ نصیحت دراصل زندگی کا ایک گراں قدر اصول تھی۔ وہ نوجوانوں کو ہمیشہ وقت کی قدر کرنے، اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور جوانی کے ایام کو علم و تحقیق، تصنیف و تالیف اور دینی خدمات کے لیے وقف کردینے کی تلقین فرماتے تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ فراخ دلی، وسیع الظرفی اور حسن میزبانی کا بھی پیکر تھے۔ جب کبھی ملاقات کی غرض سے ان کے فیملی کوارٹر پر حاضری ہوتی، وہ از راہ محبت ناشتے کا اہتمام ضرور فرماتے۔ ہم لوگ ادباً عرض کرتے: "حضور! رہنے دیا جائے آپ فرماتے، تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔" ان کے یہ محبت بھرے جملے آج بھی سماعتوں میں رس گھولتے ہیں اور ان کی شفقت واپنائیت کی یاد کو تازہ کردیتے ہیں۔

* ماہنامہ اشرفیہ کی نائب مدیر کی پیش کش *

حضرت مولانا طفیل احمد مصباحی صاحب (سابق نائب مدیر، ماہنامہ اشرفیہ) کی سبک دوشی کے بعد حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے ازراہ شفقت و اعتماد مجھے ماہنامہ اشرفیہ کے نائب مدیر کی ذمہ داری سنبھالنے کی پیش کش فرمائی۔ یہ پیش کش ایک مرتبہ نہیں بلکہ متعدد مواقع پر فرمائی۔ اس موقع پر ہمارے عزیز مفتی فیضان سرور مصباحی، قاری ریاض مصباحی مظفرپوری اور دیگر احباب بھی موجود تھے۔ اس وقت میں جامعہ اشرفیہ میں جماعت فضیلت کا طالب علم تھا، اس لیے نہ اثبات میں کچھ عرض کرسکا اور نہ انکار کی جراءت ہوئی.

فراغت کے بعد تقریباً ایک سال تک مبارک پور میں قیام رہا۔ اس دوران حضرت نے ماہنامہ اشرفیہ میں تبصرے کے لیے موصول ہونے والی چند تازہ شائع شدہ کتابیں مجھے عنایت فرمائیں۔ میں نے ان پر تبصرے تحریر کیے، جنہیں حضرت نے ماہنامہ اشرفیہ میں شائع کیا۔ یہ میرے لیے حوصلہ افزائی کا عظیم سرمایہ تھا۔ اسی کے ساتھ صحافت، تنقید اور قلمی اسلوب کی عملی تربیت بھی حضرت کی سرپرستی میں حاصل ہوئی، جس کے اثرات آج تک میری علمی و قلمی زندگی میں نمایاں ہیں۔

اسی دوران کورونا وبا کے باعث ملک گیر لاک ڈاؤن نافذ ہوگیا، جس کے نتیجے میں مجھے اپنے آبائی وطن، جھارکھنڈ، واپس آنا پڑا۔ بعد ازاں ہمارے سرپرست حضرات نے مشورہ دیا کہ جھارکھنڈ میں دینی، علمی اور مسلکی خدمات کی اشد ضرورت ہے، اس لیے اپنی صلاحیتیں یہیں صرف کیجیے۔ ان حضرات کا کہنا تھا کہ ماہنامہ اشرفیہ کے لیے اہل قلم کی کمی نہیں، لیکن جھارکھنڈ میں ایسے افراد کی ضرورت زیادہ ہے جو دین وسنیت کی خدمت، مسلک اہل سنت کی اشاعت اور عوام کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں۔ چناں چہ اسی مشورے کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے جھارکھنڈ ہی کو اپنی دینی و علمی خدمات کا مرکز بنایا۔

حضرت نے ایک اہم علمی کام میرے سپرد یہ بھی فرمایا تھا کہ ماہنامہ اشرفیہ میں شائع ہونے والے آپ کے تمام اداریے، علمی و فکری مضامین، نیز جن جلسوں اور علمی اجتماعات میں آپ نے شرکت فرمائی، ان کی وہ تمام رپورٹس جو ماہنامہ اشرفیہ کی مختلف اشاعتوں میں موجود ہیں، انہیں تلاش کرکے یکجا کیا جائے تاکہ آئندہ نسلوں کے لیے آپ کی علمی و دعوتی خدمات ایک منظم صورت میں محفوظ ہو جائیں۔ میں نے اس کام کا آغاز بھی کردیا تھا، لیکن بدقسمتی سے لاک ڈاؤن کے باعث یہ عظیم منصوبہ ادھورا رہ گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی سبیل پیدا فرمائے کہ حضرت کا یہ ادھورا خواب پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے اور ان کی علمی میراث پوری شان کے ساتھ محفوظ ہو سکے۔

آخر میں بارگاہ الٰہی میں دست بہ دعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی دینی، علمی، دعوتی اور صحافتی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین متین کی مخلصانہ خدمت کرنے کی توفیق بخشے۔

آمین یارب العالمین، بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

تعلیم نسواں وقت کی اہم ضرورت

ازقلم حضرت مولانا محمد قیصر رضا امجدی
خادم التدریس مدرسہ برکات تاج الشریعہ بورابنڈا، حیدر آباد تلنگانہ

گلشن اسلام کی آبیاری و آبپاشی کرنے میں مردوں کے مانند دختران اسلام کا بھی اہم کردار رہا ہے۔ اسلام کی مقدس و پاکباز شہزادیاں جنہوں نے تن من دھن مال و متاع صرف کرکے ہر محاذ پہ شریعت و سنت کی پاسداری کا جامہ زیب تن فرماکے دین حق کی سربلندی و سرفرازی کے لئے لیل ونہار کوشاں رہی ہیں۔ صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کہ جن کی حیات طیبہ و سیرت جمیلہ عصر جدید کی مسلم خواتین کے لئے مشعل راہ ہونے کے مترادف ہے ۔ اس دور پر فتن میں چہار جوانب ایمان و ایقان کو سلب کرنے والے کچھ اعدائے دین وملت کا گروہ بڑی سرعت کے ساتھ رونما ہو رہا ہے۔ جہاں توحید و رسالت سے ناواقفیت، احکام شرع سے عدولی، علم بیزاری، تعلیم و تعلم سے ناآشنائی کا ماحول بپا ہے وہاں اشد ضرورت ہے کہ اس جا پہ علم کی شمع فروزاں ہو تا کہ عوام الناس جہالت کی تاریکیوں سے نکل کر رشد وہدایت کے پلیٹ فارم پہ گامزن ہوسکے۔۔۔۔۔۔

آئے دن سوشل میڈیا کے ذریعے یہ خبر موصول ہوتی ہے کہ مسلم خانوادے کی بچیاں غیروں کے دام فریب میں آکر ان سے نکاح کرنے پہ آمادہ ہو جاتی ہیں پھر انہیں ذرہ برابر بھی ندامت و حسرت محسوس نہیں ہوتی ہے جہاں ان کی ذریت کی عزت کا جنازہ نکلتا ہے وہیں خود ان مرتدہ لڑکیوں کا وقار خاک آلود ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ آخر ان جمیع معصیات و سئیات کا خاتمہ کیسے ہو، باب معصیت دائمی طور پہ مقفل کیسے ہو، گناہوں سے لوگ تائب الی اللہ کیسے ہوں، بے پردگی، بے راہ روی، اور مسئلۂ ارتداد کی کیفیت کافور کیسے ہو، آیات بینات کے پاکیزہ نغموں سے فضاء معطر کیسے ہو۔ یہ تبھی ممکن ہے جب آپ اپنی بچیوں کو علم و عرفاں کی عظیم دانش گاہ، حکمت و تدبر کا حسین گہوارہ، فہم و ادراک کا مخزن و منبع، علم و ادب کا روحانی علمی قلعہ، عالمہ فاضلہ بنانے والے دینی مدارس اسلامیہ میں داخلہ کرواکر انہیں قال اللہ و قال الرسول کے ارشادات و فرمودات سے بہرہ ور کریں گے۔۔۔۔۔

۔۔ حالات کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنی بچیوں کو کردار فاطمی کا آئنہ دار بنائیں تب جاکے ہمارے معاشرے سے ارتداد کا سدباب ہو گا!

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

نواں سالانہ ذکر شہید اعظم اختتام پذیر

پریس ریلیز، رپورٹ، ابوافسر مصباحی نمائندہ نیپال اردو ٹائمز، ۱۵ محرم الحرام ۱۴۴۸ ہجری مطابق یکم جولائی ۲۰۲۶ عیسوی بروز بدھ بعد نماز عشاء پریہار تھانہ کے تحت واقع مرشد نگر اکڈنڈی گاؤں میں نواں سالانہ ذکر شہید اعظم بحسن وخوبی اختتام پذیر ہو گیا، پروگرام کی سرپرستی پیر طریقت صوفیء وقت حضرت علامہ مولانا الحاج محمد نسیم الدین لیاقتی حسنی عزیزی جہانگیر ابو العلائی احمد آباد گجرات نے کی، جبکہ مخیر قوم ملت محبوب العلماء والمشائخ حضرت الحاج حافظ و قاری محمد علیم الدین قادری ملت نگر کھوکسی نے صدارت کے فرائض انجام دیا، مقرر خصوصی کی حیثیت سے تشریف لائے مقرر شعلہ بیان حضرت علامہ مولانا ساجد رضا نظامی بانی جامعۃ الزہرا کھوکسی نے شہدائے کربلا کے فضائل و مناقب پر زبردست تقریر کی، اور خطیب نوجوان حضرت علامہ مولانا شاکر رضا نوری ملت نگر نے واقعات کربلا سنا کر مجمع میں رقت طاری کر دیا، لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، جبکہ خطیب نوجوان حضرت مولانا محمد اشفاق مصباحی نے اللہ والوں کی شان اور ان کا مقام اور بزرگوں کی صحبت کے فائدے پر بہترین تقریر کی، اس موقع پر انہوں نے محبوب المشائخ حضور منے میاں سرکار کی شان میں منقبت کے چند اشعار بھی پیش کیےء

جس کو لوگوں نے کافی پسند کیا، منبع جود و سخا ہیں حضرت منے میاں، عاشق خیر الوری ہیں حضرت منے میاں، حضرت صوفی نسیم الدین ہیں عکس جمیل، بالیقین تیری ضیاء ہیں حضرت منے میاں، دیجیے اشفاق کو بھی صدقہء خواجہ حسن، کب سے یہ در پر کھڑا ہے حضرت منے میاں ،وہیں حضرت مولانا محمد زکاء اللہ نعیمی ناظم اعلیٰ مدرسہ فیضان اعلی حضرت اور مولانا محفوظ الرحمن مصباحی اور قاری قیصر عطاری نے بھی خطاب نایاب سے لوگوں کو سرفراز کیا، اس موقع پر شاعر دربار حنیف ملت حضرت شہرت گلاب پوری نے منقبت امام حسین پیش کر لوگوں کو خوب محظوظ کیا، جبکہ حافظ و قاری محمد افروز القادر بانی وپرنسپل مدرسہ فیضان اعلیٰ حضرت ڈیمہواں چاند ٹولہ حافظ ذیشان رضا ہاشمی صوفی عبدالرحمن نسیمی گجرات، غلام محی الدین افسر، افضل رضا اکڈنڈی نے بھی نعت و منقبت کے اشعار پیش کیےء اس موقع پر چادر مزار غوث اعظم کی زیارت عام کرائی گئی حضور پیر طریقت نے لوگوں کو اخوت و محبت کے ساتھ رہنے نماز کی پابندی کرنے ماں باپ کی خدمت کرنے اور دوستو احباب پہ خرچ کرنے کی تلقین کی، موقع پر مولانا محمد توصیف رضا جامعی ریسرچ اسکالر، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، صوفی محمد صابر نسیمی ،عزیز عالم انصاری، عبدالقادر نسیمی، مولانا ستار ے محلہ فضل حق، صوفی شمیم نسیمی ماسٹر عزرائیل ماسٹر عظیم، ماسٹر انصار عبدالمتین ،صوفی طالب نسیمی، مجیب الرحمن، زبیر انصاری ، فیروز ببلو، عاشق صدام یاسر ڈی جے ساؤنڈ سروس، عبدالغنی کے علاوہ کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی

علماء تنظیم المکاتب نے ملعونہ نازیہ الہی کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا*۔

صدر جمہوریہ کو مکتوب ارسال کر گرفتاری کا کیا مطالبہ

مہراج گنج (محمد رمضان امجدی)
نیپال اردو ٹائمز
منگل کے روز ضلع کلیکٹریٹ واقع ڈی ایم آفس پر تنظیم المکاتب المساجد کے عہد داران و کارکنان جمع ہو کر نازیہ الہی کے خلاف ضلع مجسٹریٹ کے توسط صدر جمہوریہ کو مکتوب ارسال کیا۔ واضح رہے کہ کلکتہ ویسٹ بنگال کی رہنے والی نازیہ الہی نے حالیہ دنوں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قابل اعتراض بیان دیتے ہوئے شان رسالت میں گستاخی کرنے کی جسارت کی ہے جس کو لے کر پورے ملک کے مسلمانوں کو دلی تکلیف پہنچی ہے اور پورے ملک میں جگہ جگہ ملعونہ نازیہ کے خلاف ایف ائی ار درج ہو رہے ہیں اور اس پر سخت کاروائی کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔ صدر جمہوریہ کو ارسال کیے گئے مکتوبمیں کہا گیا ہے کہ نازیہ الہی جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے اس کو فوراً گرفتار کر کے سخت ترین سزادی جائے۔
اس موقع پر میڈیا سے بات کرتے ہوئے تنظیم کے ضلع صدر مولانا وسیم اختر عزیزی نے کہا کہ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اپنی نبی کی شان میں گستاخی ہرگز برداشت نہیں کر سکتا انہوں نے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ ایک ایسا قانون بنایا جائے جس میں کسی بھی دھرم کے خلاف قابل اعتراض بیان دینے والے افراد کے خلاف سخت کاروائی کی جائے تنظیم کے نگراں مولانا محمد رمضان امجدی نے کہا کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و شانتی کا پیغام دیا ہے ہمارے ملک میں کچھ فتنہ پرور لوگ ہیں جو ہمارے پیغمبر کی شان میں گستاخی کر کے ملک کی امن و شانتی کو غارت کرنا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کے خلاف کڑی کاروائی ہونی چاہیے تاکہ ہمارا ملک جو ہمیشہ سے امن و شانتی اور بھائی چارے کا گوارا رہا ہے اس کی یہ خصوصیت برقرار رہے۔ موضع کدیلہ کے سابق پردھان اور دیوانی کچہری مہراج گنج کے وکیل ایڈوکیٹ نور عالم نے کہا کہ نازیہ الہیانتہائی متنازع خاتون ہے وہ جب بھی بولتی ہے تو ہمارے پیغمبر کے خلاف بولتی ہے ایسی خاتون پر سخت کاروائی ہونی چاہیے تاکہ دوسروں کو بھی سبق حاصل ہو۔ مولانا حسام الدین فیضی مولانا تفضل حسین علیمی نے کہا کہ ملعونہ نازیہ نے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی ہے جس کی وجہ سے پورے ملک میں سماجی ہم آہنگی درہم برہم ہے۔ ماحول بگڑتا جارہا ہے جس کی وجہ سے اس کے خلاف کارروائی کرنا بالکل ضروری ہے۔ گستاخ رسول پر سخت کارروائی کرنے کی ہم مانگ کرتے ہیں۔
اس موقع پر مولانا حسام الدین فیضی مولانا شیر محمد نظامی مولانا غلام محی الدین نظامی میڈیا انچارج قاری محمد عظیم الدین نظامی مولانا تفضل حسین علیمی حافظ اظہر رضا مولانا افضل نوری شاہ محمد سمیت کثیر تعداد میں لوگ موجود رہے۔

یومِ حضور مفتیِ اعظم ہند اور ان کی شان و عظمت

از قلم: محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی: نائب ایڈیٹر: نیپال اردو ٹائمز

عالمِ اسلام میں جہاں جہاں غلامانِ اعلیٰ حضرت موجود ہیں، وہاں وہاں یومِ رضا کے ساتھ وقتاً فوقتاً یومِ مفتیِ اعظم ہند بھی نہایت عقیدت، محبت، دل جمعی اور ذوق و شوق کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ اس کی سب سے روشن اور بہترین مثال ازہرِ ہند الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی) میں دیکھنے کو ملتی ہے، جہاں ہر سال یومِ مفتیِ اعظم ہند کے مبارک موقع پر کسی عظیم علمی و دینی شخصیت کی نایاب اور غیر دستیاب کتاب کی اشاعت کا عظیم الشان کام انجام دیا جاتا ہے۔
اسی کے ساتھ طلبۂ کرام کے درمیان نعت خوانی، تقریری مقابلوں اور مقالہ نگاری کا ایک حسین اور علمی امتزاج بھی دیکھنے کو ملتا ہے، جو اس عظیم نسبت کی علمی و روحانی برکات کا مظہر ہے۔
اسی مبارک مناسبت اور اسی درخشاں روایت کی پیروی کرتے ہوئے، یہ ناچیز بھی حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ کی خدمتِ اقدس میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، اور آپ کی حیاتِ طیبہ کے ایک روشن گوشے کو مختصر انداز میں اہلِ محبت کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔
حضور مفتیِ اعظمِ ہند، حضرت علامہ الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خان قادری نوری علیہ الرحمۃ والرضوان، علم و عمل، فقہ و افتا، تقویٰ و طریقت اور ولایت و روحانیت کی ایک عظیم و درخشاں شخصیت تھے۔ آپ مجدد ابنِ مجدد، فقیہ ابنِ فقیہ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کے سچے جانشین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا فیض عطا فرمایا کہ آپ کے ذریعے اعلیٰ حضرت کا علمی و روحانی فیضان برصغیر سے نکل کر دنیا کے بے شمار شہروں اور دیہاتوں تک پہنچا اور لاکھوں تشنگانِ علم و معرفت اس سے سیراب ہوئے۔
حضور مفتیِ اعظمِ ہند علیہ الرحمہ محض ایک سرچشمۂ فیض نہ تھے، بلکہ رحمت کے ایسے بادل تھے جو خود چل کر ہر طبقۂ انسانیت پر برستے رہے۔ آپ کے علم و فیضان سے خواص و عوام، شہر و دیہات سب یکساں مستفید ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے وصال کے وقت بریلی شریف میں عقیدت مندوں کا ایک عظیم الشان اجتماع اُمڈ آیا تھا، جو آپ کی بے مثال مقبولیت اور عوامی محبت کا روشن ثبوت تھا۔
اسمِ گرامی: حضور مفتیِ اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیدائشی اور اصلی نام "محمد" ہے۔ اسی نامِ پاک پر آپ کا عقیقہ ہوا۔ پیر و مرشد نے آپ کا نام "ابوالبرکات محی الدین جیلانی" تجویز فرمایا، اور والدِ ماجد نے عرفی نام "مصطفیٰ رضا" رکھا۔ فنِ شاعری میں آپ اپنا تخلص "نوری" فرماتے تھے۔
ولادت: ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۷ جولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ، بوقتِ صبح صادق، بمقام محلہ سوداگران، بریلی شریف میں ہوئی۔
آپ کی ولادت کا سن ہجری اس آیت کریمہ سے نکلتا ہے: "وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ"۔
*بیعت و خلافت:** ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۱ھ کو ۶ ماہ ۳ یوم کی عمرِ شریف میں سید المشائخ حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی انگشتِ مبارک آپ کے دہنِ مبارک میں ڈالی، جسے آپ شیر مادر کی طرح چوسنے لگے۔ حضرت نوری میاں نے آپ کو داخلِ سلاسل فرمایا اور تمام سلاسل کی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اس کے علاوہ والدِ ماجد، مجددِ اعظم، امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ سے بھی آپ کو اجازت و خلافت حاصل تھی۔
پیر و مرشد کی بشارت: سید المشائخ حضرت شاہ سید ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو بیعت کرتے وقت ارشاد فرمایا:
"یہ بچہ دین و ملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے۔ اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ لوگ دینِ حق پر قائم ہوں گے۔ یہ فیض کا دریا بہائے گا۔"
تعلیم و فراغت: آپ نے ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) میں ۱۸ سال کی عمر میں جملہ علوم و فنون پر عبور حاصل کر کے مرکزِ اہلِ سنت دارالعلوم منظرِ اسلام، بریلی شریف سے سندِ فراغت حاصل کی۔
*وفات:** آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ (مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء) کو ہوا۔ آپ کا مزارِ پرانوار والدِ ماجد کے مزار کے جوار ہی میں بریلی شریف میں واقع ہے۔
مفتیِ اعظم کا لقب:
صدر الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مراد آبادی کے حوالہ سے روایت ہے کہ یہ لقب (یعنی مفتیِ اعظم کا لقب) خود امام احمد رضا فاضلِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی عطا فرمایا۔
حضور اعلیٰ حضرت کے ساتویں عرس (۲۵ صفر ۱۳۴۴ھ) کے عظیم الشان اجلاس میں حجۃ الاسلام سمیت غیر منقسم ہندوستان کے بڑے بڑے مفتیانِ کرام اور علماءِ عظام موجود تھے، اس اجلاس میں آپ کو مفتیِ اعظم کہا گیا اور حضرت حجۃ الاسلام کے حکم سے منظور شدہ تجویزوں میں سے ایک تجویز میں آپ کے لیے "مفتیِ اعظم" کا لفظ آیا ہے۔
اور آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۴۶ء بنارس کے تاریخ ساز اجلاس میں، جس میں پانچ سو مشائخِ عظام اور سات ہزار مفتیانِ کرام و علماءِ فخام شریک تھے، اس میں آپ کو بار بار "مفتیِ اعظم" کے لقب سے یاد کیا گیا اور اس کی مختلف تجویزوں میں مفتیِ اعظم لکھا گیا۔
* حضور مفتیِ اعظم ہند علما و مشائخ کی نظر میں *
* حضور محدثِ اعظم ہند کی نظر میں:*
حضور محدثِ اعظم حضرت سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ، حضور مفتیِ اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فتوے کی تصدیق فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:
"هَذَا حُكْمُ الْعَالِمِ الْمُطَاعِ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الِاتِّبَاعُ"
(یعنی: یہ ایک ایسے عالم کا حکم ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے، اور ہمارے لیے اتباع کے سوا کوئی چارہ نہیں)۔ (جہان مفتی اعظم ہند، ص ۲۴۱)
نیز تاجدار اشرفیت حضرت مفتی شاہ سید محمد محدثِ اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اپنے خطبۂ صدارت "ارشادات دین پرور" میں فرمایا:
"میرا خیال ہے سنی جمعیتِ علماء کیا چیز ہے؟ کاش اس سوال کا جواب حضرت مفتیِ اعظم، سنیوں کا آقا، سنیوں کا مرکزی آسرا کا قلم دیتا۔" (المیزان، اپریل، ص ۱۴۱)
* حضور حافظِ ملت کی نظر میں:*
بانیِ جامعہ اشرفیہ، حضرت الشاہ عبدالعزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:
"حضور مفتیِ اعظم ہند بلا شبہ ولی ہیں۔ آج جو ان سے پڑھ رہا ہے، کل اسے اس پر فخر ہوگا کہ میں نے حضور مفتیِ اعظم علیہ الرحمہ سے پڑھا ہے۔ جو ان سے بیعت ہوگا، اسے اس پر فخر ہوگا کہ میں حضور مفتیِ اعظم سے بیعت ہوا ہوں۔ جو ان سے مصافحہ کرے گا، وہ اس پر فخر کرے گا کہ میں نے ان سے مصافحہ کیا ہے۔ جو ان کی زیارت کرے گا، وہ اس پر فخر کرے گا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے۔ حضور مفتیِ اعظم تقویٰ و طہارت کے پیکر اور علم و فن کے سمندر ہیں۔ (انوار مفتی اعظم، ص ۱۹۸)
* حضور احسنُ العلماء کی نظر میں:*
تاجدار مارہرہ مطہرہ، علمبردارِ مسلکِ اعلیٰ حضرت، سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں، احسنُ العلماء قادری برکاتی علیہ الرحمہ کو فرماتے ہوئے سنا گیا ہے کہ: "اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا اور حضرت مفتیِ اعظم محمد مصطفیٰ رضا کا ذکر میرے گھر میں روز ہوتا ہے۔ ایک دو بار نہیں، بلکہ دن بھر میں کئی بار ہوتا ہے۔"
* حضور بدرِ ملت کی نظر میں:*
حضرت مولانا انوار احمد قادری صاحب قبلہ اپنی مشہور و معروف کتاب "انوار البیان ج ۱، ص ۲۵۳" میں لکھتے ہیں:
راقم الحروف (انوار احمد قادری) نے خود اپنے مرشدِ کریم، استادِ شفیق، عالمِ باعمل، ولیِ کامل حضرت مولانا مفتی الشاہ محمد بدرالدین احمد قادری رضوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان فرماتے ہوئے متعدد بار سنا ہے کہ: "شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور مفتیِ اعظم الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خان قادری نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نائبِ غوثِ اعظم اور قطبِ عالم تھے۔"
* حضور بحر العلوم کی نظر میں:*
بزرگوں کی یادگار، سراپا خلوص و وفا، حضرت علامہ مولانا الشاہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: "حضور مفتیِ اعظم الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ اہلِ دل، صوفی اور باکمال بزرگ تھے۔ حضور مفتیِ اعظم وعظ و تقریر نہیں فرماتے تھے، لیکن لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے ان کے چند جملے ہی لمبی تقریروں پر بھاری تھے۔"
مضمون کی طوالت کی وجہ سے انہیں چند معزز ہستیوں کے اقوال و بیانات پہ اس اہم بات کو اجمالا اختصار کے ساتھ بند کرتا ہوں۔
حضور مفتیِ اعظم ہند الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خان قادری نوری علیہ الرحمہ کی ذاتِ گرامی چودھویں صدی کے افق پر علم و عرفان، شریعت و طریقت اور تقویٰ و طہارت کا ایک ایسا درخشندہ ستارہ تھی جس نے لاکھوں دلوں کو ایمان و سنت کی روشنی سے منور کیا۔ آپ نے نہ صرف فتاویٰ نویسی اور تدریس کے ذریعے دینِ متین کی بے لوث خدمت کی، بلکہ اپنے کردار و عمل سے اسلاف کی یاد تازہ کر دی۔ اکابرینِ امت کے تاثرات اور آپ کے جلیل القدر تلامذہ و خلفاء کا علمی و روحانی مقام اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ اپنے وقت کے عالم ربانی اور مرجع خلائق تھے۔
اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں حضور مفتیِ اعظم ہند کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مسلکِ حق، مسلکِ اعلیٰ حضرت پر استقامت عطا فرمائے اور ان کے فیوض و برکات سے ہمیں ہمیشہ سیراب رکھے۔
آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از قلم: محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی
نائب ایڈیٹر: نیپال اردو ٹائمز
بنوٹا، مہوتری، نیپال
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۴۸ھ
۰۲/ ۰۷/ ۲۰۲۶ بروز جمعرات

الوداعی اور پروقار تقریب۔

ڈمرہ، انٹر لیول سیکنڈری اسکول، پڑری سیتامڑھی میں اسکول فیملی کی جانب سے پرنسپل "مو نجم الہدی انصاری" کی ریٹائرمنٹ پر ایک جذباتی الوداعی اور اعزازی تقریب میں اساتذہ اور معززین نے انہیں شال، گلدستے، قلم، ڈائری، کپڑے اور صحت مند زندگی کے لیے نیک تمنائیں پیش کیں۔
جناب ھدای کو سال ۱۹۹۴ میں بی پی ایس سی کے

ذریعے تقرری ملی۔ انہوں نے تقریباً ۳۲ سال تک محکمہ تعلیم میں ایک موثر، فرض شناس اور مثالی استاد کے طور پر خدمات انجام دیں۔ تمام مقررین نے فصاحت کے ساتھ ان کی خدمت کے دور کی تعریف کی اور کہا کہ شری ھدای ایک وقت کے پابند، محنتی اور توانا استاد رہے ہیں- جو ہمیشہ ترقی کے لیے وقف رہے ہیں۔ اس موقع پر جناب ھدای کے بھانجے محمد قدیر احمد انصاری، مڈل اسکول بنتارہ اردو، باجپٹی نے کہا کہ تعلیمی نظام میں تجربہ کار اساتذہ کی مسلسل کمی ہے ہوتی جارہی ہے اور ایسے اساتذہ کا تجربہ نئی نسل کے لیے انمول ورثہ ہے۔
اس موقع پر پریہار بلاک سے استاد محمد ابوالحسن انصاری عرف لال بابو، استاد محمد بدر الحسن انصاری، استاد عبدالحنان انصاری، اور ان کے فرزند استاد محمد شاکر حسین انصاری، محمد ذاکر حسین انصاری، محمد آصف محمد کاشف اور دیگر بھی موجود رہے

مدارس کے اساتذۂ کرام کی ناقدری: امت کے لیے لمحۂ فکریہ

* ابو الخالد محمد اظہر الدین علیمی *
پرنسپل دارالعلوم حسینیہ نظامیہ رضا نگر بھٹنڈی جموں

دنیا کی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ قومیں تلواروں، محلات اور خزانوں سے نہیں بلکہ علم، فکر اور کردار سے زندہ رہتی ہیں۔ اور علم و کردار کے یہ چراغ ہمیشہ اساتذہ اور معلمین کے ہاتھوں روشن ہوتے ہیں۔

جس معاشرے نے اپنے معلم کو عزت دی، اسے عزت ملی؛ جس نے اپنے استاد کو بھلا دیا، وہ تاریخ کے اندھیروں میں گم ہو گیا۔

اسلام نے استاد کو جو مقام عطا کیا ہے، وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ قرآن کریم نے علم والوں کے درجات بلند کیے، رسول اللہ ﷺ نے علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا، اور امتِ مسلمہ نے صدیوں تک اپنے علماء اور معلمین کی تعظیم کو عبادت سمجھا۔ مگر آج کا ایک دردناک المیہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے کندھوں پر دین کی حفاظت اور نسلوں کی تربیت کی ذمہ داری ہے، وہی معاشی پریشانیوں، مالی تنگی اور بے قدری کا شکار ہیں۔

یہ کوئی افسانہ یا مبالغہ نہیں بلکہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ آج بے شمار مدارس میں ایسے علماء اور اساتذہ موجود ہیں جو دس، بارہ یا پندرہ ہزار روپے ماہانہ تنخواہ پر اپنی زندگیاں گزارنے پر مجبور ہیں۔ ایک طرف مہنگائی کا طوفان ہے، دوسری طرف محدود آمدنی؛ ایک طرف گھریلو اخراجات کا بوجھ ہے، دوسری طرف صبر و قناعت کی چادر۔

جب دنیا سو رہی ہوتی ہے تو ایک معلمِ دین اپنی جائے نماز پر بیٹھا قرآن کی تلاوت کر رہا ہوتا ہے۔ جب لوگ کاروبار اور ملازمتوں میں مصروف ہوتے ہیں تو وہ مسجد یا مدرسے میں بیٹھ کر بچوں کو قرآن کے نور سے منور کر رہا ہوتا ہے۔ جب نوجوان دنیاوی کامیابیوں کے خواب دیکھ رہے ہوتے ہیں تو وہ آنے والی نسلوں کو جنت کے راستے سمجھا رہا ہوتا ہے۔

وہ صرف سبق نہیں پڑھاتا، بلکہ کردار بناتا ہے۔

وہ صرف الفاظ نہیں سکھاتا، بلکہ ایمان سکھاتا ہے۔

وہ صرف کتابیں نہیں کھولتا، بلکہ دلوں کے دروازے کھولتا ہے۔ اس کی زبان سے نکلنے والا ایک جملہ کسی نوجوان کی پوری زندگی بدل سکتا ہے۔

اس کے ہاتھوں سے تیار ہونے والا ایک شاگرد ہزاروں لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

مگر افسوس! وہی معلم جب شام کو اپنے گھر واپس آتا ہے تو اس کے سامنے زندگی کی تلخ حقیقتیں کھڑی ہوتی ہیں۔

ایک عالم کے گھر کا منظر

ذرا تصور کیجیے! شام کا وقت ہے۔ ایک عالمِ دین پورا دن درس و تدریس کے بعد گھر لوٹتا ہے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی بیٹا کہتا ہے: "ابو! اسکول کی فیس جمع کرنی ہے۔" بیٹی کہتی ہے: "ابو! میری کتابیں خریدنی ہیں۔" والدہ کہتی ہیں:

"بیٹا! دوائیں ختم ہو گئی ہیں۔"

بیوی آہستہ سے کہتی ہے: "گھر میں راشن بھی کم ہے۔"

اور اس عالم کی جیب میں چند سو روپے بھی باقی نہ ہوں۔

سوچیے! اس لمحے اس کے دل پر کیا گزرتی ہو گی؟

وہ جو دوسروں کو صبر کا درس دیتا ہے، خود صبر کے سمندر میں ڈوبا ہوتا ہے۔ وہ جو دوسروں کو اللہ پر توکل سکھاتا ہے، خود اپنے بچوں کی ضروریات پوری نہ کر سکنے کے غم سے گزر رہا ہوتا ہے۔

اس کی زبان خاموش رہتی ہے، لیکن اس کا دل فریاد کرتا ہے۔ اس کی آنکھیں خشک نظر آتی ہیں، مگر اندر کتنے آنسو دفن ہوتے ہیں، یہ صرف اللہ جانتا ہے۔

اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ مدرسہ ایک عمارت کا نام ہے۔

نہیں! مدرسہ عمارت کا نام نہیں، معلم کا نام ہے۔

مدرسہ دیواروں کا نام نہیں، کردار سازی کا نام ہے۔

مدرسہ فرش، پنکھوں اور کمروں کا نام نہیں، قرآن کے نور کا نام ہے۔ اگر مدرسے کی عمارت عالی شان ہو، دفاتر خوبصورت ہوں، جلسے شاندار ہوں، مگر معلم پریشان حال ہو تو یہ ترقی نہیں بلکہ ایک خطرناک عدم توازن ہے۔

کیونکہ مدرسے کی اصل روح اس کا استاد ہے۔

اگر روح کمزور ہو جائے تو جسم کی خوبصورتی بے معنی رہ جاتی ہے۔

دنیا کی ہر قوم اپنے سرمایہ کی حفاظت کرتی ہے۔

کوئی سونے کی حفاظت کرتا ہے، کوئی تیل کی، کوئی صنعت کی۔

لیکن مسلمانوں کا اصل سرمایہ علماء اور مدارس ہیں۔

یہی وہ قلعے ہیں جنہوں نے چودہ سو سال سے اسلام کی حفاظت کی ہے۔

جب سلطنتیں ختم ہو گئیں، حکومتیں بدل گئیں، بادشاہتیں مٹ گئیں، تب بھی مدارس باقی رہے۔

جب بڑی بڑی طاقتیں تاریخ کے صفحات میں دفن ہو گئیں، تب بھی قرآن کے یہ مراکز زندہ رہے۔

اور ان مراکز کو زندہ رکھنے والے یہی بے لوث معلمین ہیں۔ محرم الحرام ہمیں قربانی، ایثار اور وفاداری کا درس دیتا ہے۔

کربلا کا میدان صرف ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے ایک پیغام ہے۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ چاہتے تو دنیا کے تمام آرام حاصل کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے دین کی بقا کو دنیا کی آسائشوں پر ترجیح دی۔

انہوں نے اپنے اہل و عیال، اپنے جانثار ساتھیوں اور اپنی جان تک کو قربان کر دیا مگر حق کا دامن نہ چھوڑا۔

آج مدارس کے علماء بھی اسی دین کی خدمت کر رہے ہیں جس کی خاطر امام حسین رضی اللہ عنہ نے قربانی دی۔ لہٰذا ان کی خدمت، ان کی عزت اور ان کی کفالت در حقیقت دین کی خدمت ہے۔

اگر یہی حالات رہے تو کل کیا ہو گا؟

اگر علماء کے بچے بنیادی تعلیم سے محروم رہیں گے تو کیا ہو گا؟ اگر مدارس کے اساتذہ معاشی دباؤ کا شکار رہیں گے تو کیا ہو گا؟ اگر دین کی خدمت کرنے والوں کو عزت اور تحفظ نہیں ملے گا تو آنے والی نسلیں کس طرف جائیں گی؟ یہ سوال صرف مدارس کا نہیں بلکہ پوری امت کے مستقبل کا سوال ہے۔

قوموں کے عروج و زوال کا راز

تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ قوموں کا عروج صرف معاشی ترقی سے نہیں ہوتا۔

حقیقی ترقی اس وقت آتی ہے جب علم، اخلاق اور کردار کو اہمیت دی جائے۔

جاپان، جرمنی اور دیگر ترقی یافتہ ممالک میں استاد کو عزت دی جاتی ہے۔

استاد کو قوم کا معمار سمجھا جاتا ہے۔

جب دنیاوی تعلیم کے استاد کو یہ مقام حاصل ہے تو پھر قرآن اور حدیث پڑھانے والے استاد کا مقام کتنا بلند ہونا چاہیے؟

اے اہلِ اسلام!

اپنے مدارس کو صرف چندوں سے نہیں بلکہ فکر سے بھی مضبوط کیجیے۔

اساتذہ کی تنخواہوں کو ترجیح دیجیے۔

ان کے بچوں کی تعلیم کا انتظام کیجیے۔

ان کے علاج معالجے کا خیال رکھیے۔

ان کی عزتِ نفس مجروح نہ ہونے دیجیے۔

ان کی خاموش قربانیوں کو محسوس کیجیے۔

ان کی دعاؤں کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنائیے۔

اختتامی کلمات

مدرسے کا استاد محض ایک ملازم نہیں، وہ امت کی روح کا معمار ہے۔

وہ قوم کا مربی، نسلوں کا رہبر، ایمان کا محافظ اور دین کا سپاہی ہے۔

اس کے ہاتھ میں قرآن ہے، اس کی زبان پر حدیث ہے، اس کے سینے میں امت کا درد ہے اور اس کی آنکھوں میں آنے والی نسلوں کی فکر۔

اگر آج ہم نے اپنے علماء اور معلمین کی قدر نہ کی تو کل ہمارے پاس پچھتاوے کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔

آئیے! اس محرم الحرام میں ہم یہ عہد کریں کہ مدارس کے اساتذہ کی عزت کریں گے، ان کے حقوق ادا کریں گے، ان کے مسائل کو اپنا مسئلہ سمجھیں گے اور دین کے ان خاموش خادموں کا سہارا بنیں گے۔

یاد رکھیے! "جس قوم کے علماء روتے ہوں، اس قوم کی روح زخمی ہوتی ہے؛ اور جس قوم کے علماء مسکراتے ہوں، اس قوم کا مستقبل روشن ہوتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے علماء، اساتذہ اور مدارس کی صحیح قدر کرنے، ان کے حقوق ادا کرنے اور ان کی دعائیں حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جنگ کا اصل فاتح کون؟

—جب بارود بھی کاروبار بن جائے!!!

شرف الدین سید
۹۳۴۲۵۲۲۳۴۶

ہر جنگ اپنے پیچھے دو طرح کے ملبے چھوڑ جاتی ہے۔ ایک وہ ملبہ جو ٹوٹی ہوئی عمارتوں، جلی ہوئی گاڑیوں اور انسانی لاشوں کی صورت میں دنیا کو نظر آتا ہے، اور دوسرا وہ ملبہ جو عالمی معیشت، سیاست اور انسانی ضمیر پر گرتا ہے۔ پہلا ملبہ کیمروں میں محفوظ ہو جاتا ہے، دوسرا تاریخ کے حاشیوں میں دفن ہو جاتا ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم ہر جنگ میں یہ گنتے رہتے ہیں کہ کتنے میزائل داغے گئے، کتنے شہر تباہ ہوئے اور کس ملک نے کس پر برتری حاصل کی؛ لیکن بہت کم لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اس جنگ سے کمایا کس نے؟ امریکہ، اسرائیل اور ایران کے درمیان حالیہ جنگ نے ایک بار پھر یہی سوال زندہ کر دیا ہے۔ بظاہر تینوں ممالک کو نقصان اٹھانا پڑا، مگر اگر اس جنگ کو صرف فوجی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ معاشی اور سیاسی زاویے سے دیکھا جائے تو ایک مختلف تصویر سامنے آتی ہے۔ آج امریکہ دنیا کی سب سے بڑی عسکری طاقت ہونے کے ساتھ ساتھ اسلحہ کی سب سے بڑی صنعت کا بھی مرکز ہے۔ جنگ کے دوران استعمال ہونے والے بہت سے ہتھیار دوبارہ تیار ہوتے ہیں، ان کے نئے آرڈر ملتے ہیں، اتحادی ممالک اپنی دفاعی تیاریوں میں اضافہ کرتے ہیں اور اسلحہ ساز کمپنیوں کی پیداوار بڑھ جاتی ہے۔ یوں جنگ صرف محاذ پر نہیں بلکہ فیکٹریوں اور مالیاتی منڈیوں میں بھی لڑی جاتی ہے۔

خلیجی کشیدگی کے آغاز ہی میں امریکی قیادت نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ اگر ایران کے حملوں سے عرب ممالک میں قائم امریکی فوجی اڈوں یا تنصیبات کو نقصان پہنچتا ہے تو اس کے مالی اثرات سے نمٹنے میں میزبان ممالک ہی کو اپنا حصہ ادا کرنا ہو گا۔ یہ مؤقف اس بدلتی ہوئی حکمتِ عملی کی علامت ہے جس میں سلامتی کے انتظامات کا مالی بوجھ بھی اتحادیوں کے ساتھ بانٹا جاتا ہے۔ اسی دوران خلیجی ممالک نے اپنی سلامتی کے خدشات کے پیشِ نظر جدید دفاعی نظام اور اسلحہ کے حصول میں دلچسپی بڑھائی۔ خوف نے ایک مرتبہ پھر اسلحہ کی عالمی منڈی کو متحرک کر دیا۔

دوسری طرف آبنائے ہرمز کے گرد پیدا ہونے والی کشیدگی نے عالمی تیل کی منڈی کو ہلا کر رکھ دیا۔ قیمتوں میں اتار چڑھاؤ نے دنیا بھر میں مہنگائی، تجارتی اخراجات اور معاشی بے یقینی کو بڑھایا۔ اس کا نقصان نہ صرف جنگ میں شریک ممالک بلکہ ان کروڑوں انسانوں نے بھی اٹھایا جن کا اس تنازع سے کوئی براہِ راست تعلق نہیں تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب بھی جنگ بندی کی امید پیدا ہوئی، مختلف سیاسی، سفارتی اور عسکری عوامل نے اس عمل کو پیچیدہ بنا دیا۔ ان عوامل کی وجوہات پر ماہرین کی آراء مختلف ہو سکتی ہیں، لیکن ایک سوال اپنی جگہ برقرار رہتا ہے: کیا جدید جنگوں میں معاشی مفادات بھی امن کی رفتار پر اثر انداز ہوتے ہیں؟ عراق، افغانستان، لیبیا اور دیگر جنگوں کے بعد تاریخ ہمیں یہی سبق دیتی ہے کہ جنگیں ختم ہو جاتی ہیں، مگر ان کے معاشی اثرات دہائیوں تک باقی رہتے ہیں۔ جنگ زدہ ممالک کی تعمیرِ نو میں برسوں لگ جاتے ہیں، جبکہ اسلحہ ساز صنعتیں اور بعض معاشی حلقے اپنے منافع کے نئے ریکارڈ قائم کر لیتے ہیں۔

اس لیے آج شاید دنیا کو ایک نئے سوال کا سامنا ہے۔ سوال یہ نہیں کہ کون سی فوج زیادہ طاقتور ہے، بلکہ یہ ہے کہ جنگ کا معاشی ماڈل کس کے حق میں کام کرتا ہے؟ اگر خوف تجارت بن جائے، اسلحہ سب سے بڑی صنعت بن جائے اور امن سب سے کم منافع بخش چیز رہ جائے، تو دنیا میں جنگیں ختم کرنا پہلے سے کہیں زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہر جنگ کے بعد فاتحین کی فہرست بدل جاتی ہے، لیکن ایک طبقہ ایسا ہے جو شاید کبھی شکست نہیں کھاتا۔ وہ ہے جنگ کا کاروبار۔ سپاہی بدل جاتے ہیں، محاذ بدل جاتے ہیں، حکومتیں بدل جاتی ہیں، مگر اسلحہ فروخت کرنے والے، خوف کی تجارت کرنے والے اور جنگ سے منافع کمانے والے ہر دور میں اپنا حساب منافع کے خانے میں ہی لکھتے ہیں۔ شاید اسی لیے آج کے عہد کا سب سے اہم سوال یہ نہیں کہ جنگ کس نے جیتی؟ بلکہ یہ ہے کہ جنگ سے کمایا کس نے

عظمتِ صحابیت اور مقامِ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محمد عادل ارریاوی

۱۵ محرم الحرام ۱۴۴۸ھ

الحمد للہ دینِ اسلام ہمیں جن پاکیزہ اور مستند ذرائع سے ملا ہے ان میں سب سے عظیم اور قابلِ اعتماد جماعت حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہے۔ یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے بارگاہِ نبوت سے ایمان قرآن حدیث اور تعلیماتِ اسلام کو براہِ راست حاصل کیا پھر اپنی جانوں کی قربانی بے مثال اخلاص اور غیر معمولی امانت و دیانت کے ساتھ اسے آنے والی امت تک پہنچایا۔ اس لیے صحابۂ کرام کا مقام تاریخی شخصیات کا ہی نہیں بلکہ وہ دین کے امین شریعت کے محافظ اور امت کے لیے مینارۂ ہدایت ہیں۔ ان کی عظمت عدالت اور فضیلت پر ایمان رکھنا اہلِ سنت والجماعت کے بنیادی عقائد میں سے ہے اور ان کے بارے میں زبان و قلم کو ادب و احتیاط کا پابند رکھنا ہر مسلمان کی دینی ذمہ داری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان کی سب سے مضبوط کڑی اور واسطہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور ظاہر ہے کہ اس واسطہ کو درمیان سے ہٹا دینے یا غیر معتبر کر دینے کے بعد امت کے پاس کچھ بھی نہیں بچتا نہ قرآن نہ حدیث نہ ہی سیرت رسول اور تعلیمات اسلام۔

یہ مقدس جماعت صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ ربّ العزت کی طرف سے منتخب کی گئی تھی وہ دنیا کے عام انسانوں کی طرح نہیں تھے اسی لئے قرآن وحدیث میں ان کو خاص مقام اور امتیاز عطا کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ خصوصی رعایت کا حکم دیا ہے کیونکہ خود ربِ ذوالجلال نے صحابہ کی وکالت کرتے ہوئے اپنے محبوب پیغمبر کو ان کی رعایت کا حکم دیا تھا۔ اس کے ساتھ قرآن کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ ربّ العزت نے متعدد مقامات پر جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا ہے وہیں نہایت عظمت و فضیلت کے ساتھ صحابہ کرام کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اگر کوئی بشارت ہے تو صحابہ کرام بھی اس بشارت میں شریک ہیں جس طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے والوں سے اللہ ربّ العزت نے اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے اس طرح صحابہ کی پیروی کرنے والوں سے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اللہ ربّ العزت نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینہ نازل فرمایا تو صحابہ کو بھی اس میں شامل فرما لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے محبت کرنے اور ان کی برائی و بدگوئی سے بچنے کا تاکیدی حکم دیا ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔ اس جماعت صحابہ میں سیدنا حضرت امیر معاویہ بھی ہیں۔ جو قرابت نسبت علم و عمل فقہ و اجتہاد علم و متانت عقل و فراست اور شجاعت کی وجہ سے اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ اس لئے ان سے محبت کرنا اور ان کی طرف سے بدظنی اور بدگوئی سے بچنا بھی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

صحابہ کرام کے خلاف دورِ اول سے ہی بدگمانیوں اور بدزبانیوں کا بازار حاسدین کی طرف سے گرم رہا ہے اور یہ فتنہ ہر دور میں علم و تحقیق کے نام پر صرف تاریخ کے سہارے دینی فضا کو مسموم کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بعض صحابہ کے مریضوں کا متعدی وائرس کبھی کبھی جب صحابہ کا دم بھرنے والوں کو بھی متاثر کر دیتا ہے اور وہ جاہ پسندی دولت اندوزی اور شہرت طلبی کی

ہوس میں یا نسبی تعصب اور خاندانی عناد کی بھڑاس نکالنے کے لئے چند صحابہ کو مطعون کرنے لگتے ہیں۔ اور ان طاعنین کا نشانہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ضرور بنتی ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ حب علی رضی اللہ عنہ و اہل بیت کی تکمیل بغض معاویہ رضی اللہ عنہ کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔

اہلِ سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ تمام صحابۂ کرام عادل ثقہ اور قابلِ احترام ہیں۔ ان کے باہمی اختلافات کو موضوعِ بحث بنا کر ان پر زبان درازی کرنا یا ان کے بارے میں بدگمانی پیدا کرنا نہ صرف قرآن و سنت کے مزاج کے خلاف ہے بلکہ امت کے اتحاد کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم ان تمام مقدس ہستیوں کا ادب کریں ان کے لیے دعائے مغفرت کریں اور ان کے بارے میں ہمیشہ خیر ہی کا گمان رکھیں۔

خصوصاً سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کتابتِ وحی کی سعادت اور اسلام کی عظیم خدمات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بصیرت حکمت تدبر اور حسنِ انتظام کے ذریعے امت کی گراں قدر خدمت انجام دی۔ اس لیے ان کی ذاتِ گرامی کو تنقید کا نشانہ بنانا در حقیقت صحابیت کے عظیم منصب کو مشکوک بنانے کی کوشش ہے حالانکہ اہلِ ایمان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا احترام کرتے ہیں۔ ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں اور ان کے بارے میں اپنی زبان کو ہر قسم کی گستاخی اور بے ادبی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

اے اللہ ربّ العزت ہمارے دلوں کو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سچی محبت سے بھر دے ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما ان کی شان میں گستاخی اور بدگمانی سے ہماری حفاظت فرما اور ہمیں ایمان و سنت پر ثابت قدم رکھتے ہوئے خاتمہ بالخیر نصیب فرما آمین یا ربّ العالمین۔

محرر کے بارے میں

مولانا محمد عادل ارریاوی کہنہ مشق محرر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی مخلص ہیں آپ اپنی تحریروں سے عوام و خواص کو استفادہ کا موقع فراہم کراتے رہتے ہیں ملک و بیرون ملک کے مختلف جرائد و اخبارات میں اپ کی تحریر کو قابل قدر جگہ دی جاتی ہے۔ آپ نیپال اردو ٹائمز کے مخصوص کالم نگار ہیں۔

آپ نے حال میں حجاج کرام کی سہولیات کے لیے نہایت ہی آسان لب و لہجے میں حج کے طریقے کے نام سے نہایت ہی عمدہ کتاب تحریر فرمائی ہے۔

نیپال اردو ٹائمز کے شمارہ ۴ سے سے شمارہ نمبر ۹۶ تک کا آپ رفیق سفر ہیں اور آگے بھی رہنے کی امید رکھتے ہیں

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

مظفرپور میں جاہل پیروں کا بول بالا

از قلم، محمد علی اشرفی
مظفرپوری، ڈائریکٹر
مدرسہ فاطمہ کلیتہ البنات
زکریاکالونی سعدپورہ مظفرپور،

مظفرپور بھارت ملک کے ریاست بہار کے ایک معروف و مشہور ضلع کا نام ہے اس کو لیچی کا شہر بھی کہا جاتا ہے اس کی شاہی لیچی پورے ملک اور بیرون ممالک میں بھی میں پہنچائی جاتی ہے، اور لوگ شوق ورغبت سے کھاتے ہیں، یہ شمالی بہار کا ایک تجارتی تعلیمی اور ثقافتی شہر ہے یہ شہر بوڑھی گنڈک ندی کے کنارے واقع ہے، یہاں کی زبان ہندی اردو بجیکا اور میتھلی ہے، یہ شہر سڑک اور ریل دونوں طرح سے پوری طرح سے جڑا ہوا ہے، مظفرپور سے دیش کے کونے کونے میں جانے کے لیے ٹرینیں ملتی ہیں یہ شہر ۱۸ ویں صدی عیسوی میں مظفر خان کے نام پر بسایا گیا شہر ہے وہ انگریزی دور حکومت ایک ریونیو ،مالیاتی، آفیسر تھے ، ۱۷۷۴ میں جب اس علاقہ کو انتظامی ترقی دی گئی تو مظفر خان نے اس شہر کو ترقی دینے میں ایک اہم رول ادا کیا، سرکاری عمارتوں کے لیے اپنی ذاتی زمینیں دے دیں، اس لیے اس کا نام مظفر خان کے نام پر رکھا گیا، ۱۸۷۵ عیسوی میں ترہت سے کاٹ کر مظفرپور کو ضلع بنایا گیا پہلے اس ضلع کی سرحد نیپال کے بارڈر تک تھی بعد میں سیتامڑھی ضلع بننے کے بعد اس کا رقبہ کم ہوگیا، یہ صوفیوں اور درویشوں کا شہر ہے اس شہر میں داتا کمبل شاہ داتا مظفر شاہ اور قطب المشائخ حضرت داتا تیغ علی شاہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے بزرگوں کا آستانہ ہے ، جبکہ کوٹھیا مزار بھی سیاحوں کی زیارت کا مرکز بنا ہوا ہے، اور ملک کے کونے کونے سے زائرین اس کی زیارت کو آتے ہیں ،یہاں مختلف سلاسل کی متعدد خانقاہیں موجود ہیں ، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ادھر کئی سالوں سے یہ شہر جاہل پیروں کے چنگل میں جکڑا ہوا ہے، ایسے ایسے افراد جنہیں شرائط نماز اور فرائض نماز کی بھی واقفیت نہیں وہ دھڑلے سے لوگوں کو مرید کر رہے ہیں اور پیری مریدی کے نام پر اپنا پیٹ پال رہے ہیں، دعا تعویز کے نام پر کمسن بچیوں کا جنسی استحصال کر رہے ہیں، ایسے جاہل پیروں کو بے نقاب کرنا بے حد ضروری ہے، میں ایسے پیروں کو جانتا ہوں جنہیں شریعت کے ضروری احکام بھی معلوم نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے مجھے خواب میں آکر کے خلافت دی اور جاہل عوام بغیر سوچے سمجھے ان جاہل پیروں کے چنگل میں پھنس کر اپنا دنیا اور آخرت دونوں خراب کر رہی ہے نہ یہ ایک وقت کی نماز پڑھتے ہیں اور نہ کوئی دین کا کام کرتے ہیں کیونکہ یہ خود ہی جاہل ہیں، اور لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ بس مرید ہو جاؤ تمہارا بیڑا پار ہے ایسے لوگوں سے بچنا اور بچانا ہم سب کی ذمہ داری ہے، قابل ملامت ہے وہ نعت خواں حضرات جو چند سکوں کے لالچ میں ممبر رسول پر ان جاہل پیروں کی جھوٹی تعریف کرتے ہیں اور عوام کو گمراہ کرتے ہیں میں سب کی بات نہیں کر رہا ہوں الحمدللہ اس شہر میں ایک سے بڑھ کر ایک صاحب و علم و فضل اور صاحب سلسلہ شیخ طریقت بھی موجود ہیں جو رشد و ہدایت کا بھی کام کرتے ہیں مگر ان کی تعداد کم ہے جاہل پیر لونڈیا باز ہیں شہوت پرست ہیں اس لیے خدا رانہ ان کے پاس آپ دعا تعویز کے لیے جائیں، نہ اپنے گھر کی خواتین کو بھیجیں یہ آنے والی جوان دوشیزاؤں پہ گندی نظر رکھتے ہیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ نے مرشد ، پیر، کے لیے بنیادی طور پر چار شرائط بیان فرمائی ہے آپ کے نزدیک جس شخص میں یہ چار شرائط نہ پائی جائیں اس سے بیعت ہونا جائز نہیں ہے، وہ چار شرائط درج ذیل ہیں، ا صحیح العقیدہ سنی ہو پیر کا پکا اور سچا سنی ہونا اہل سنت و جماعت کے عقائد کا حامل ہونا، ۲ صاحب علم اپنی ضرورت کے دینی مسائل کا علم ہو اور اتنی سمجھ بوجھ رکھتا ہو کہ در پیش آنے والے مسائل کو معتبر کتاب سے نکال سکے، ۳ پابند شریعت ہو فاسق اور اعلانیہ گناہ کرنے والا فاسق نہ ہو بلکہ شریعت کا پابند ہو، ۴ متصل سلسلہ ہو اس کا سلسلہ طریقت کامل اور صحیح اسناد کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک بلا تعطل پہنچتا ہو، اعلی حضرت کے مطابق جو پیر بے عمل ہو یا شریعت کے احکام جیسے نماز کی پرواہ نہ کرے اس سے مرید ہونا جائز نہیں آپ نے واضح فرمایا ہے کہ جاہل فقیر یا جاہل پیر کا مرید ہونا در حقیقت شیطان کا مرید ہونا ہے جس پیر کے اندر مزکورہ شرائط موجود نہ ہو تو ایسے پیروں سے ہرگز مرید نہ ہوں، آج جاہل بھی ہے عالم کا لبادہ اوڑھے ،ایسے ملاؤں سے ایمان بچاؤ لوگوں ،اخیر میں یہ بتاتا چلوں کہ تعجب تو اس وقت ہوتا ہے جب یہی جاہل پیر مر جاتے ہیں تو ان کے چیلے چپے ان کا عرس لگانے لگتے ہیں جو کہیں سے کسی بھی طریقے سے جائز و درست نہیں ہے، بلکہ اگر کہیں ایسا عرس لگایا جا رہا ہے تو فورا اس کا بائیک کرنا لازم ہے، اس لیے کہ عرس پاک اللہ والوں کا لگایا جانا چاہیے نہ کہ نفس پرست اور جاہلوں کا،

مظفرپوری، ڈائریکٹر
مدرسہ فاطمہ کلیتہ البنات
زکریاکالونی سعدپورہ مظفرپور،

مسلمانوں کی زبوں حالی: اسباب اور سدباب

(بقلم: معظم ارزاں شاہی دوست پوری)

تمہید: زوال کوئی حادثہ نہیں، مکافاتِ عمل ہے

تاریخ گواہ ہے کہ قومیں تلوار سے نہیں، کردار سے فتح پاتی ہیں۔ آج ۵۷ مسلم ممالک، ۲ ارب نفوس، تیل، گیس، سونا، نوجوان طاقت، سب کچھ ہونے کے باوجود ہم مقروض، محکوم اور منتشر ہیں۔ کیوں؟

قرآن نے ۱۴۰۰ سال پہلے فارمولا بتا دیا: "ان اللہ لایغیر مابقوم حتی یغیروا ما بأنفسھم"- الرعد:۱۱۔ یعنی اللہ اس وقت تک کسی قوم کی تقدیر نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنے اندر کو نہ بدلے۔

کربلا کا میدان اسی آیت کی عملی تفسیر ہے۔ امام حسینؑ نے ۷۲ کے مقابل ۳۰ ہزار کا لشکر دیکھ کر سمجھوتہ نہیں کیا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے: اصول پر سمجھوتہ ہی اصل موت ہے، سر کٹ جانا شہادت ہے۔

حصہ اول: زبوں حالی کے ۷ بڑے اسباب - تفصیل سے

.1 قرآن و سنت سے عملی دوری: کتاب زندہ ہے، قوم مردہ ہے

ہم نے قرآن کو غلاف میں لپیٹ کر طاق پر رکھ دیا۔ شادی پر تلاوت، میت پر تلاوت، لیکن فیصلے انگریزی قانون سے، کاروبار سودی نظام سے، اور سیاست مغربی جمہوریت سے۔ مثال: سود کو اللہ نے "اللہ اور رسول سے جنگ" کہا، مگر آج مسلمان ملکوں کے مرکزی بینک IMF کے سودی قرضے پر چل رہے ہیں۔ نتیجہ؟ ہر پیدا ہونے والا بچہ مقروض پیدا ہوتا ہے۔

نقصان: جب دستورِ حیات چھوڑ دیا تو برکت اٹھ گئی۔ رزق میں، وقت میں، عزت میں۔

۲. تعلیم میں دوغلا پن: ملا اور مسٹر کی تقسیم

انگریز نے جاتے جاتے ہمیں دو طبقوں میں بانٹ دیا۔ ایک "مولوی" جو راکٹ کا نام سن کر ڈر جائے، دوسرا "پڑھا لکھا" جو وضو کے فرائض نہ جانتا ہو۔

1 تاریخی حقیقت

: ابن سینا ڈاکٹر بھی تھا، حافظ بھی۔ البیرونی سائنسدان بھی تھا، مفسر بھی۔ جابر بن حیان کیمیا کا باپ بھی تھا، امام جعفر صادقؑ کا شاگرد بھی۔

نقصان: آج ڈاکٹر دل کا آپریشن کر لیتا ہے مگر نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ مولوی مسئلہ بتا دیتا ہے مگر لیپ ٹاپ نہیں چلا سکتا۔ امت دو لاشوں میں بٹ گئی۔

۳. فرقہ واریت: ۷۳ کی حدیث کو ۷۲ فرقوں کا لائسنس بنا دیا نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹے گی، ا جنتی ہوگا۔ ہم نے "جنتی" فرقہ ڈھونڈنے کے بجائے ۷۲ فرقے بنا لیے۔

المیہ: شیعہ سنی کا جھگڑا، بریلوی دیوبندی کی بحث، اہلحدیث کی تکفیر۔ مسجدیں الگ، جنازے الگ، عیدیں الگ۔ دشمن نے فائدہ اٹھایا۔

قرآنی حکم: "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا" - اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔ آل عمران:۱۰۳

۴. اخلاقی دیوالیہ: "صادق و امین" کا لقب چھن گیا

مکہ کے کافر بھی نبی ﷺ کے پاس امانتیں رکھواتے تھے۔ آج مسلمان تاجر سے غیر مسلم مال نہیں خریدتا۔ کیوں؟

بازار کا حال: جھوٹی قسم، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، وعدہ خلافی۔ دفتر کا حال: رشوت، سفارش، کام چوری۔ گھر کا حال: والدین سے بدتمیزی، طلاق کی شرح۔

حدیث: "من غشنا فلیس منا" - جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔ ہم نے غش کو "بزنس ٹپس" بنا لیا۔

۵. معاشی غلامی: زکوٰۃ ختم، سود عام

اسلام کا معاشی نظام ۳ ستونوں پر تھا: زکوٰۃ، صدقہ، وقف۔ آج تینوں ختم۔ نتیجہ: ۱٪ لوگوں کے پاس ۹۹٪ دولت۔

سود کا عذاب: فلسطین، کشمیر، شام کے لیے چندہ مانگتے ہیں، اور اپنے بینکوں میں سود کا پیسہ رکھواتے ہیں۔ اللہ سے جنگ کر کے ہم جیتنا چاہتے ہیں؟

مدینہ ماڈل: بیت المال سے ہر شہری کی بنیادی ضرورت پوری ہوتی تھی۔ کوئی بھوکا نہیں سوتا تھا، کوئی قرضدار خودکشی نہیں کرتا تھا۔

۶. سیاسی انتشار: ۵۷ ٹکڑے، صفر طاقت

OIC کے ۵۷ ملک ہیں، مگر اقوام متحدہ میں ایک قرارداد پاس نہیں کرا سکتے۔ وجہ؟ ہر بادشاہ کو اپنی کرسی عزیز ہے، امت نہیں۔

تاریخ کا سبق: جب تک بغداد ایک تھا، تاتاری کچھ نہ بگاڑ سکے۔ جب خلیفہ اور سلاطین لڑ پڑے، ہلاکو نے لائبریریاں دریا میں بہا دیں۔ آج پھر وہی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔

۷. تہذیبی احساسِ کمتری: نقالی میں فخر

اپنے بچے کا نام "محمد" رکھتے ہوئے شرم، "مائیکل" رکھتے ہوئے فخر۔ عربی بولے تو "مولوی"، انگریزی بولے تو "ماڈرن"۔

حقیقت: یورپ نے ترقی سائنس سے کی ہے، بے حیائی سے نہیں۔ جاپان نے اپنی زبان نہیں چھوڑی، ہم نے چھوڑ دی۔ نتیجہ: نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔

حصہ دوم: سدباب - زوال سے عروج کے ۶ عملی راستے ا. علم کا انقلاب: قرآن + لیپ ٹاپ فوری قدم: ہر مسجد میں عصر کے بعد ا گھنٹہ "دنیاوی تعلیم"۔ فزکس، کیمسٹری، کمپیوٹر پڑھایا جائے۔ ہر اسکول میں صبح ا پیریڈ "قرآن فہمی" لازمی۔

نمونہ: ترکی کی امام خطیب اسکولز - جہاں بچہ حافظ بھی بنتا ہے، انجینئر بھی۔ آج ترکی ڈرون بنا رہا ہے۔

۲. کردار سازی: تاجر سے پہلے مسلمان بنو عملی فارمولا: "صادق امین شاپ" کے نام سے دکانیں کھولیں۔ بورڈ لگائیں: "یہاں جھوٹ نہیں بولا جاتا، ملاوٹ نہیں ہوتی، وعدہ نہیں ٹوٹتا"۔ گاہک خود آئے گا۔

گھر میں: بیٹے کو کہیں "پہلے انسان بنو، پھر ڈاکٹر"۔ بیٹی کو کہیں "پہلے حیاوالی بنو، پھر آفیسر"۔ ۳. معاشی جہاد: سود چھوڑو، زکوٰۃ دو انفرادی: اپنا بینک اکاؤنٹ کرنٹ کریں، سیونگ نہیں۔ کاروبار میں پارٹنرشپ کریں، سودی قرضہ نہیں۔

اجتماعی: محلے کی سطح پر "بیت المال" بنائیں۔ ہر صاحبِ حیثیت ۲٫۵٪ دے۔ اس سے بیوہ کی مدد، بچے کی فیس، بے روزگار کا کاروبار۔ مدینہ پھر سے آباد ہو سکتا ہے۔

۴. اتحاد کا منشور: ۴ نکات پر اکٹھے ہو جاؤ ا. اللہ ایک ۲. نبی ﷺ آخری ۳. قرآن آخری کتاب ۴. قبلہ ایک۔

اس پر جو متفق ہے وہ بھائی ہے۔ باقی فقہی اختلاف "رحمت" ہے، "لعنت" نہیں۔ محرم میں سب "یا حسینؑ" کہیں، عید پر سب "اللہ اکبر" کہیں۔ ۵. اصلاحِ نفس: انقلاب اپنے کمرے سے شروع کرو روز رات کو ۵ منٹ محاسبہ: ا. آج جھوٹ بولا؟ ۲. نماز قضا کی؟ ۳. کسی کا دل دکھایا؟ ۴. وقت ضائع کیا؟ جس دن یہ ۴ سوال "نہیں" میں ہوں، سمجھو انقلاب آگیا۔ ۲ ارب لوگ بدل جائیں تو دنیا بدل جائے گی۔

۶. حسینی مشن: ہر گھر سے ایک حسینؑ پیدا کرو امام حسینؑ نے صرف کربلا میں نہیں، پوری زندگی میں یزیدیت کا انکار کیا۔ یزیدیت کیا ہے؟ جھوٹ، ظلم، سود، بے حیائی، بزدلی۔ آج کا کربلا: جب رشوت دینے کا موقع آئے تو "مثلی لا یبایع مثلہ" کہہ دو۔ جب سود کا فارم سامنے آئے تو کہہ دو "میں حسینؑ کا ماننے والا ہوں"۔ یہی اصل عزاداری ہے۔ خاتمہ: تسبیح اور لیپ ٹاپ کا سنگم صلاح الدین ایوبیؒ سے پوچھا گیا: آپ کی فتح کا راز؟ فرمایا: "میری فوج کی راتیں سجدوں میں اور دن گھوڑوں پر گزرتے ہیں"۔ آج ہمارے نوجوان کی راتیں ٹک ٹاک پر اور دن بیروزگاری میں گزرتے ہیں۔ حتمی نسخہ: ایک ہاتھ میں تسبیح، دوسرے میں لیپ ٹاپ۔ دل میں قرآن، دماغ میں سائنس۔ زبان پر درود، عمل میں دیانت۔ یہ ہوگا "نیا مسلمان" - جو ۲۱ ویں صدی فتح کرے گا۔ یاد رکھیں: کربلا والے نے سر دے دیا، اصول نہیں دیا۔ ہم اصول دے کر سر بچانا چاہتے ہیں۔ جب تک یہ ترجیح نہیں بدلے گی، زوال نہیں رکے گا۔

"خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی ہی حالت کے بدلنے کا"

حیات لے کے چلو، کائنات لے کے چلو

انجینئر محمود اقبال ۶۳۰۹۷۲۷۹۵۱

کمیونسٹوں، کسانوں، مزدوروں، محنت کشوں اور محبتوں کا انقلابی شاعر مخدوم محی الدین

4 فروری ۱۹۰۸ سرزمین دکن کے مقبول ترین شاعر مخدوم محی الدین کی یوم پیدائش ہے۔ فیض احمد فیض عصر جدید کے "غالب" تھے۔ اور مخدوم، فیض کے ہم عصر تھے۔ دونوں کی شاعری میں اعلیٰ تعلیم، محبت، محنت اور جیل کی صعوبتیں قدر مشترک نظر آتی ہیں۔ فیض کو جہاں وقت ملا اپنی بات کہنا کہ وہیں مخدوم محروم وقت و فرصت رہے۔ مخدوم محی الدین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر صرف شاعری ہی تک وہ محدود رہتے تو ان کی شاعری میں اور بھی چار چاند لگ جاتے۔ ان کا شمار کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے چوٹی کے قائدین میں ہوتا تھا۔ وہ کسانوں، مزدوروں اور محنت کشوں کی آواز تھے۔ ریاستی دارالحکومت حیدرآباد دکن میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کا صدر دفتر "مخدوم بھون" انہیں کے نام سے موسوم ہے، جو حیدرآباد کے پوش علاقہ حمایت نگر میں واقع ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے یہ دفتر ایک تحفہ، لافانی یادگار اور خراج عقیدت ہے جو آج بھی حیدرآبادیوں کو مخدوم بھون سے گزرتے ہوئے مخدوم کی یاد دلاتی رہتی ہے۔

چند دہائیوں پہلے ترقی پذیر مصنفین اور شاعروں کی ایک کھیپ آئی تھی جنہوں نے نت نئے تجربات کئے۔ بعض نے تو اردو رسم الخط کو بھی دیوناگری رسم الخط میں بدلنے کی مانگ اور سعیٔ کی تھی۔ اردو کبھی "منت پذیر شانہ" نہ رہی اور یہ اپنے گیسوئے خود ہی سنوارتی رہی۔ یہی اس زبان کی خوبی ہے یہی اسکی لچک ہے۔

مخدوم کی ایک مشہور نظم "غالب" کا ایک مایوسانہ شعر ہے۔

وہ زُباں جس کا نام ہے، اُردو
اُٹھ نہ جائے کہیں خوشی کی طرح

مخدوم اگر آج بقید حیات ہوتے تو اس بات پر مسرور ہوتے کہ اس زمین سے اردو نہیں، بلکہ اردو کے مخالفین اٹھتے جا رہے ہیں۔ مخدوم، محبتوں اور محنتوں کی شاعری کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں وہ دور آزادی کے مقبول ترین شاعر تھے جسے حیدرآبادیوں نے اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھایا تھا۔ مخدوم ان خوش نصیب شاعروں میں سے ایک ہیں جنہیں انکی زندگی ہی میں اپنے چاہنے والوں کی بھرپور محبت وعزت ملی۔ مخدوم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب تک انکی غزل مقطع تک پہنچتی، پوری غزل حیدرآبادیوں کو یاد ہو جاتی تھی۔ مصرعہ بہ مصرعہ، شعر بہ شعر، رکشہ والوں کو سنا کر، تانگے والوں کو سنا کر وہ اپنی غزل مکمل کرتے تھے اور جب تک حیدرآبادی یاد نہ کر لیتے وہ انہیں سناتے جاتے تھے۔ وہ سب کو ساتھ لے کر چلتے تھے۔ کمیونسٹ تحریک کو بھی، کسانوں کو بھی، مزدوروں کو بھی اور ساتھ ہی ساتھ ادبی ذوق کو بھی۔

حیات لے کے چلو، کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

مخدوم، پورے برصغیر میں یکساں طور پر مقبول تھے۔ کشمیر کے ایک مشاعرے میں بھی انہوں نے شرکت کی تھی۔ سید رحمت علی سابق رکن پارلیمنٹ نے اپنی کتاب "سرفروشان وطن" میں لکھا ہے کہ مخدوم کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے تھا اور انکے پردادا مکہ مسجد حیدرآباد کے مشہور قاری تھے۔ "بُلبُلِ ہند" سروجنی نائیڈو، مخدوم محی الدین کو اپنا بیٹا کہا کرتی تھیں۔ علیحدہ تلنگانہ ریاست کی مسلح جدوجہد میں بھی مخدوم پیش پیش تھے۔ مخدوم نے تلنگانہ کے کسانوں کے ساتھ چھاپہ مار لڑائیوں میں حصہ لیا تھا۔ روپوشی اختیار کی تھی۔ وائسرائے ہند کے خلاف ایک تقریر کی پاداش میں جیل کی صعوبتیں بھی وہ جھیل چکے ہیں۔ جیل کی سلاخوں کے پیچھے سے انہوں نے کہا تھا

قید ہے قید کی میعاد نہیں
جور ہے جور کی فریاد نہیں

بتایا جاتا ہے کہ دونوں عظیم شاعروں فیض اور مخدوم نے ترقی پسند تحریک، آزادی، عوامی جد وجہد اور ادب کے سماجی کردار کے بارے میں کئی بار گفتگو کی تھی۔ مخدوم اور فیض کی بہت سی نظمیں جیل کی صعوبتوں کو بھی لے کر ہیں۔ نامساعد حالات میں مخدوم نے جامعہ عثمانیہ سے ایم اے (اردو) کیا تھا، حتی کہ انہیں سڑکوں پر اخبار بھی بیچنے پڑے تھے۔ ملازمت کا آغاز گورنمنٹ سٹی کالج، حیدرآباد میں لیکچرار کی حیثیت سے کیا لیکن باغی و سرکش طبیعت کو نوکری راس نہ آئی۔ اس وقت کی آندھرا پردیش قانون ساز اسمبلی اور کونسل کے ممبر بھی وہ رہے اور مزدور تحریکوں کے سرگرم ممبر کی حیثیت سے روس، چین اور یورپ کا دورہ بھی کیا۔ کسی بھی اردو شاعر کیلئے انکی محنت اور محبت کی بھرپور زندگی باعث رشک ہے۔ ملکوں ملکوں وہ محنت اور محبت کا پیغام پہنچاتے رہے۔ کہا تھا

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

مخدوم نے کہا تھا کہ وہ ایک محروم فرصت انسان ہیں۔ مخدوم کا کلام بہت ہی مختصر ہے۔ لیکن انہیں جو بھی فرصت کے لمحات ملے وہ اردو شاعری اور ادب کے زندہ جاوید لمحات بن گئے۔ انکی بعض غزلیں اور نظمیں 'راک ان رول (Rock & Roll)' کرتی نظر آتی ہیں۔ ملاحظہ ہو

کمان ابروئے خُوباں کا بانکپن ہے غزل عشق
کے شعلہ کو بھڑکاؤ کہ کچھ رات کٹے
کوہ غم، اور گراں اور گراں اور گراں
غمزدو تیشے کو چمکاؤ، کہ کچھ رات کٹے

سابق صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، پروفیسر زینت ساجدہ صاحبہ نے مخدوم کی شاعری اور آواز کے بارے میں لکھا ہے کہ "اصل میں اس کی آواز میں جادو ہے، گہرائی، طرحداری اور خراد پر چڑھی ہوئی آواز ہے"۔ ایک اور جگہ لکھا ہے کہ "مخدوم کے بیانِ رومان، انقلاب سے فرار نہیں، بلکہ اسکی پہلی سیڑھی ہے، محبت انسان کو بیدار کرتی ہے اور یہی بیداری اجتماعی شعور میں ڈھاتی ہے"۔ آنجہانی رانی اندرا دھنراج گیر جی مخدوم کو بہت عزیز رکھتی تھیں۔

ہجومِ بادہ و گل میں، ہجومِ یاراں میں
کسی نگاہ نے جھک کر مرے سلام لئے

ہند و پاک کے مشہور گلوکاروں نے بھی مخدوم کی غزلوں اور نظموں کو اپنی آواز عطا کی ہے۔ ۱۹۸۲ میں ریلیز ہوئی فلم "بازار"، خیام کی موسیقی، طلعت عزیز اور لتاجی کی مسحور کن اور جادوئی آواز، ڈائریکٹر ساگر سرحدی کی ہدایت میں یہ گیت، فاروق شیخ اور سپریا پاٹھک پر خوبصورت انداز میں پھولوں اور کلیوں کے جھرمٹ میں فلمایا گیا تھا، جس کی زیادہ تر شوٹنگ حیدرآباد میں ہوئی تھی اور کہانی بھی حیدرآباد کے اس زمانہ کے معاشرتی پس منظر سے تعلق رکھتی تھی۔ فلم "بازار" نے مخدوم کے اس گیت کو امر بنا دیا ہے۔

پھر چھڑی رات، بات پھولوں کی
رات ہے، یا بر آت پھولوں کی
پھول کے ہار، پھول کے گجرے
شام پھولوں کی، رات پھولوں کی

یقینا، آپ نے ڈھولک کے گیت سنے ہونگے۔ کیا آپ نے کبھی مخدوم کی نظم "اک چمیلی کے منڈوے تلے دوبدن... سنی ہے؟ زیادہ نہیں صرف دو تین دہائیوں پہلے کی بات ہے، اب نہ ہی وہ چمیلی کے منڈوے رہے، نہ ہی وہ "گل تر"، اور نہ ہی وہ ڈھول۔ انکی جگہ بڑے بڑے فنکشن ہالس کے وارانڈے، "گلِ مُر" اور ڈی جے نے لے لی ہے۔ یہ گیت فلم "چھا چھا چھا" پر چھا گیا تھا، جو ۱۹۶۴ میں ریلیز ہوئی تھی۔ مخدوم کے اس نظم "چارہ گر" کو محمد رفیع اور آشا بھوسلے کی سریلی آوازیں ملیں، جسے اقبال قریشی نے کمپوز کیا تھا۔

اک چمیلی کے منڈوے تلے
مے کدے سے ذرا دور، اس موڑ پر
دوبدن
پیار کی آگ میں جل گئے
پیار حرفِ وفا، پیار ان کا خدا
پیار ان کی چِتا
دوبدن...

مخدوم کا کلام بہت ہی مختصر ہے۔ "سرخ سویرا"، جو انقلابی نظموں کا مجموعہ ہے۔ بِساط رقص، رومانس اور انقلاب کا ایک حسین امتزاج ہے، اور مخدوم کو اپنے ہم عصر شعراء میں ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔ "گلِ تر"، نرم، رومانوی اور جمالیاتی کے ساتھ ساتھ محبت، محنت، فطرت اور حسین خوابوں کی یادوں کی آئینہ دار ہے۔ مخدوم کا زیادہ تر کلام نظموں گیت، چند اکلوتے اشعار اور صرف ۱۸-۲۲ غزلوں پر مشتمل ہے۔ مگر، جو کہا وہ لاجواب کہا اور وہ بھی محنتوں اور محبتوں سے بھرپور شاعری کے ساتھ ساتھ۔

بقول جگر مرادآبادی

ایک لفظِ محبت کا، ادنیٰ یہ فسانہ ہے
سمٹے تو دلِ عاشق، پھیلے تو زمانہ ہے

بیسویں صدی کے ۳ نامور شعراء پروین شاکر، فیض اور مخدوم کے کلام میں ۳ چیزیں قدر مشترک نظر آتی ہیں۔ "محبت، محنت اور مصیبت"۔ پروین کی ناکام محبت، طلاق اور تنہائی

وہ تو خوشبو ہے، ہواؤں میں بِکھ جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے، پھول کدھر جائے گا

فیض کی آرزوئے محبت! اور مہدی حسن کی سحر انگیز آواز اور دُھن میں یہ غزل غم زدہ دلوں میں زندہ دلی کی نئی روح پھونکتی ہے۔

گلوں میں رنگ بھرے بادِ نوبہار چلے
چلے بھی آؤ کہ، گلشن کا کاروبار چلے

اور مخدوم کی اُمید افزا محبت

نِکہت یار سے آباد ہے ہر کُنج قفس
مل کے آئی ہے صبا، اس گُلِ تر سے پہلے
اِس اندھیرے میں اُجالوں کا گماں تک بھی نہ تھا
شعلہ رُو، شعلہ نوا، شعلہ نظر، سے پہلے

4 فروری، ۱۹۰۸ کو مخدوم ضلع میدک کے ایک گاؤں اندول میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ۴ سال کی عمر میں انکے والد محترم کا عین جوانی میں نتقال ہو گیا تھا، بعد میں انکی ماں نے دوسری شادی کر لی تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھے۔ بعد ازاں انکی پرورش انکے چچا بشیر الدین صاحب کے زیر سایہ ہوئی تھی، جو بہت ہی نیک دل انسان تھے۔ ایک طویل عرصہ تک مخدوم اپنی ماں کو دیکھ اور مل بھی نہ پائے تھے۔ لڑکپن سے ہی وہ "محبت" کی تشنگی کو شاید جھیلتے رہے ہوں؟ شاید اسی لئے انکی شاعری میں "محبت ہی محبت اور محنت" نظر آتی ہے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

مردہ رشتے

آفتاب عالم شاہ نوری
کروشی بلگام کرناٹک
۸۱۰۵۴۹۳۳۴۹

شام آہستہ آہستہ ڈھل رہی تھی۔ مغرب کی سرخی آسمان کے کناروں پر یوں پھیل گئی تھی جیسے کسی مصور نے افق پر نارنجی اور سرخ رنگ بکھیر دیے ہوں۔ پرندوں کے جھنڈ اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ بازاروں کی رونق مدھم ہونے لگی تھی اور دن بھر کی محنت اور مشقت سے تھکے ہوئے لوگ اپنے کندھوں پر تھکن کا بوجھ اٹھائے گھروں کو جا رہے تھے۔ کہیں مزدور اپنے اوزار سمیٹ رہے تھے، کہیں سرکاری ملازمین اور اساتذہ بس اسٹاپوں پر کھڑے جلد از جلد گھر پہنچنے کے منتظر تھے۔ انہی لوگوں کے درمیان ناہدہ بھی بس اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ وہ ایک سرکاری اسکول میں معلمہ تھی۔ ستواں ناک، چوڑی پیشانی، گورا رنگ، درمیانہ قد اور چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی اور وقار۔ اس کی شخصیت میں ایک ایسی کشش تھی جو دیکھنے والے کو بے اختیار متوجہ کر لیتی تھی۔ بسیں وقفے وقفے سے آ رہی تھیں، مگر نہ جانے لوگ کہاں سے امڈ پڑتے کہ چند لمحوں میں بس مسافروں سے کھچا کھچ بھر جاتی۔ ناہدہ تین مرتبہ بس میں سوار ہونے کی کوشش کر چکی تھی مگر ہر بار ناکام رہی۔ بس اسٹاپ کے قریب کھڑا ندیم یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ ناہدہ کے اسکول کے نزدیک واقع ایک دوسرے سرکاری اسکول میں استاد تھا اور اتفاق سے اسی محلے میں رہتا تھا جہاں ناہدہ کا گھر تھا۔

وہ اپنی موٹر سائیکل ناہدہ کے قریب لے آیا۔

"میڈم! اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو گھر چھوڑ دیتا ہوں۔ آج شہر کے بازار کا دن ہے، اس لیے ہر بس اسی طرح بھری ہوئی آئے گی۔ پھر رات ہونے والی ہے اور اس کے بعد آنے والی بسوں میں اکثر نشے میں دھت لوگ ہوتے ہیں۔ براہِ کرم میرے ساتھ چلیں، میں آپ کو بحفاظت گھر پہنچا دوں گا۔"

ناہدہ کچھ دیر خاموش رہی۔ وہ ایک باوقار اور محتاط مزاج خاتون تھی، مگر حالات نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ آخرکار وہ موٹر سائیکل پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے اور ندیم کے درمیان اپنا بیگ رکھ لیا تاکہ مناسب فاصلہ برقرار رہے۔

تقریباً پندرہ کلومیٹر کا سفر طے کرنے کے بعد وہ شہر پہنچے۔ چند گلیاں عبور کرنے کے بعد ناہدہ نے کہا:

"گاڑی یہیں روک دیجیے۔"

ندیم نے حیرت سے پوچھا:

"مگر آپ کا گھر تو ابھی آگے ہے!"

ناہدہ نے دھیمے لہجے میں جواب دیا:

"مجھے یہاں کچھ کام ہے، میں بعد میں گھر چلی جاؤں گی۔"

درحقیقت وہ نہیں چاہتی تھی کہ محلے والے اسے کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھ کر طرح طرح کی باتیں بنائیں۔

ندیم نے موٹر سائیکل روک دی۔ ناہدہ اتر کر آہستہ آہستہ اپنے گھر کی طرف چل پڑی، مگر اس دن کے بعد سے نہ جانے کیوں ندیم کے دل میں اس کے لیے محبت پیدا ہو گئی۔

چند ماہ بعد ندیم نے اپنے والدین سے ناہدہ کے گھر رشتہ بھیجنے کی خواہش ظاہر کی۔ ناہدہ کے گھر والوں نے بھی اس رشتے کو پسند کیا۔ دونوں تعلیم یافتہ تھے، ایک ہی پیشے سے وابستہ تھے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

جب ناہدہ سے اس کی رائے پوچھی گئی تو اس نے سر جھکاتے ہوئے صرف اتنا کہا:

"آپ لوگوں کی جو مرضی ہو، مجھے قبول ہے۔"

چنانچہ دونوں کی شادی بڑی دھوم دھام سے انجام پائی۔

ابتدائی چند برس محبت اور خوشیوں میں گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی عطا فرمائے۔ بیٹے کا نام فرحان اور بیٹی کا نام عظمیٰ رکھا گیا۔

زندگی اپنی رفتار سے چل رہی تھی کہ اچانک ندیم کے تبادلے کا حکم آ گیا۔ اسے دوسرے شہر جانا پڑا۔ یہ دوری ان کے تعلقات میں پہلی دراڑ ثابت ہوئی۔ ندیم ویسے بھی غصیلا مزاج رکھتا تھا، مگر اب اس کے اندر چڑچڑا پن اور بد مزاجی مزید بڑھنے لگی۔ ابتدا میں وہ ہر ہفتے گھر آتا، مگر جب بھی آتا، لڑائی جھگڑا کر کے واپس چلا جاتا۔ ناہدہ صبر کرتی رہی۔ وہ ہر بار بگڑتے حالات کو سنبھالنے کی کوشش کرتی، مگر پانی سر سے گزرنے لگا تھا۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور بیٹی سے نوازا۔ ناہدہ کو امید تھی کہ شاید اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، مگر ایسا نہ ہو سکا۔ ندیم پہلے سے زیادہ سخت مزاج اور بے رحم ہو گیا۔ ایک دن اس نے ناہدہ اور بچوں کو اپنے ہی گھر سے نکال دیا اور وہ مکان کرائے پر اپنے بھائی کے حوالے کر دیا۔

یہ ناہدہ کی زندگی کا سب سے کڑا امتحان تھا۔ اس نے ہمت نہیں ہاری۔ تھوڑی تھوڑی رقم جمع کر کے اسی محلے میں اپنے لیے ایک چھوٹا سا گھر تعمیر کیا۔ بچے بھی باپ کے رویے سے اندر ہی اندر ٹوٹ چکے تھے۔ ان کے دلوں میں باپ کے لیے محبت کی جگہ نفرت نے لینا شروع کر دیا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، ندیم کے غصے میں اضافہ ہوتا گیا اور بچوں کی نفرت بھی گہری ہوتی گئی۔ وہ کبھی کبھار اپنے بھائی سے ملنے کے بہانے شہر آتا، چند دن ٹھہرتا اور واپس چلا جاتا۔ اکثر مسجد میں نماز کے دوران اس کی نظر فرحان پر پڑتی، مگر وہ یوں منہ پھیر لیتا جیسے اسے جانتا ہی نہ ہو۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ناہدہ کے چہرے پر کمزوری اور تھکن کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ پھر ایک دن زندگی نے اسے ایک اور آزمائش سے دوچار کر دیا۔ وہ روز کی طرح اسکول جا رہی تھی۔ جس ٹیمپو میں وہ سوار تھی، وہ ایک خوفناک حادثے کا شکار ہو گیا۔ کئی لوگ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ ناہدہ زندہ تو بچ گئی، مگر اس کی دائیں ٹانگ کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور جسم کے مختلف حصوں پر شدید زخم آئے۔ اسے شہر کے ایک بڑے ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ ڈاکٹروں نے مکمل ایک سال کے آرام کا مشورہ دیا۔ یہ ایک سال ناہدہ کے لیے قیامت سے کم نہ تھا۔

اس پورے عرصے میں ندیم نہ ایک بار اسے دیکھنے آیا اور نہ ہی اپنے بچوں کی خبر لی۔ بچوں نے اپنی ماں کی بھرپور خدمت کی۔ وقت بہترین مرہم ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ ناہدہ کی طبیعت سنبھلنے لگی، مگر اب وہ سہارے کے بغیر چل نہیں سکتی تھی۔ وہ دوبارہ اسکول جانے لگی اور تدریس کے فرائض بھی انجام دینے لگی۔ اس تمام مصیبت کے باوجود اس نے بچوں کی تعلیم پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ فرحان انجینئر بن گیا اور عظمیٰ نے گریجویشن مکمل کر لی۔ چند برس بعد عظمیٰ کے لیے ایک اچھا رشتہ آیا اور باہمی مشورے سے بات طے ہو گئی۔

یہ خبر جب ندیم تک پہنچی تو اس کے اندر کا سویا ہوا باپ جاگ اٹھا۔ وہ دوڑا دوڑا ناہدہ کے گھر پہنچا۔

"میں واپس آنا چاہتا ہوں،" اس نے کہا۔

ناہدہ نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں برسوں کی اذیت، تنہائی اور بے بسی سمٹی ہوئی تھی۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

فرحان آگے بڑھا اور بولا:

"آپ کو اب ہماری زندگی میں آنے کا کوئی حق نہیں۔ جب ہمیں آپ کی ضرورت تھی، آپ کہیں نہیں تھے۔ اگر آپ دوبارہ یہاں آئے تو ہم یہ شہر چھوڑ دیں گے۔"

محلے کے بزرگوں نے بھی ندیم کو سمجھایا:

"تم نے اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اب ان کی زندگی میں مداخلت نہ کرو۔"

ندیم خاموشی سے چلا گیا۔

چند ماہ بعد عظمیٰ کی شادی بڑی دھوم دھام سے انجام پائی۔

کئی مہینوں بعد ایک دن ندیم اپنے بھائی سے ملنے آیا۔

واپسی سے پہلے وہ ایک چوراہے پر بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ اچانک اس کے سینے میں شدید درد اٹھا۔

چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔

چند لمحوں میں وہ کرسی سے نیچے آ گرا۔

لوگ دوڑ پڑے، مگر زندگی اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

اتفاق سے فرحان بھی اسی راستے سے گزر رہا تھا۔

ہجوم دیکھ کر وہ قریب آیا۔

لوگوں کو ہٹایا تو دیکھا، زمین پر اس کے باپ کی بے جان لاش پڑی تھی۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ گھر کی طرف چل پڑا۔ گھر پہنچ کر اس نے ماں کو ساری بات بتائی۔

ناہدہ نے کچھ دیر سر جھکائے رکھا، پھر ایک گہری سانس لی اور کھڑکی سے باہر ڈوبتے سورج کو دیکھتے ہوئے بولی:

"بیٹا! تمہارے باپ کی موت آج نہیں ہوئی۔ وہ تو اس دن مر گیا تھا جب اس نے اپنی اولاد سے رشتہ توڑ لیا تھا، جب اس نے بیماری میں میری خبر تک نہ لی تھی، اور جب اس نے ہمارے دلوں سے اپنا مقام کھو دیا تھا۔ آج صرف اس کا جسم مرا ہے، رشتہ تو برسوں پہلے مر چکا تھا۔"

یہ کہہ کر اس کی آنکھوں سے دو آنسو ڈھلک پڑے۔ باہر سورج غروب ہو چکا تھا، اور ایک مردہ رشتے کی کہانی بھی اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی۔

ذکی طارق بارہ بنکوی: خاموش چراغ کی لو

تحریر۔ شیزا جلال پوری
جلالپور، اترپردیش
جلالپور، اترپردیش

شاعری ایک ایسی صنف ہے جو ایک تخلیق کار کی امنگوں خواہشوں اور حوصلوں میں خوشگوار اضافہ کرتی ہے، اور زندگی کے مشکل مرحلوں میں بھی اعتماد کے ساتھ گزرنے کا حوصلہ بخشتی ہے۔ ذہن کے پردے پر ابھرنے والی تصویروں کی ہلکی سی جھلک بھی جب صفحۂ قرطاس پر اجاگر ہوتی ہے تو قارئین کا دل طمانیت کی عجیب و غریب کیفیت سے سرشار ہو جاتا ہے۔

ادب کی دنیا میں کچھ نام ایسے ہوتے ہیں جو شور نہیں مچاتے، اشتہار نہیں بنتے، مگر وقت کی دھیمی رفتار میں اپنی شناخت خود تراش لیتے ہیں، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو چراغ کی طرح جلتے ہیں، روشنی بانٹتے ہیں اور اندھیروں سے الجھتے رہتے ہیں، بڑے شاعروں اور ادیبوں کی روایت رہی ہے کہ وہ ایسے خاموش خدامِ اردو کو سلام پیش کرتے ہیں جو کسی صلے، کسی منصب یا کسی مفاد کے بغیر زبان و ادب کی خدمت میں جٹے رہتے ہیں۔

ذکی طارق بارہ بنکوی کا نام بھی انہی چراغوں میں شامل ہے، جن کی لو مدھم نہیں پڑتی، بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اور نکھرتی جاتی ہے۔ وہ اپنی محنت اور لگن سے نہ صرف اردو کے علم و ادب کا خزانہ بڑھا رہے ہیں بلکہ نئی نسل کے لیے بھی ایک روشنی کا مینار بنے ہوئے ہیں۔ ایسے خادم کو میں سلام پیش کرتی ہوں، جو خاموشی سے، استقلال کے ساتھ اردو کی خدمت میں مصروف ہے اور جس کی ہر تحریر، ہر لفظ زبان کی عظمت کا پیغام بنتا ہے۔

ان کا تعلق اترپردیش کے ضلع بارہ بنکی کے قصبہ سعادت گنج سے ہے، جو ادب اور اردو شاعری کے لیے اپنی الگ پہچان رکھتا ہے۔ یہ قصبہ نہ صرف علم و ادب کے مرکز کی وجہ سے مشہور ہے بلکہ اردو زبان اور شاعری کے شائقین کے لیے ایک روشن نقطہ بھی ہے۔ ذکی طارق نے اسی فضا میں سانس لی، اسی مٹی کے لمس سے الفاظ کی نزاکت اور زبان کی لطافت سیکھی، اور یوں اپنے قصبے کے ادب کو ایک نیا وقار بخشا ہے۔

* اردو کی خدمت میں ایک بے صلہ مسافر کی داستان *

تحریر۔ شیزا جلال پوری

ایسے دور میں جب ادبی خدمات اکثر شہرت اور تشہیر کے سہارے پہچانی جاتی ہیں، خاموش خدمت کی قدر کم ہوتی جا رہی ہے، ذکی طارق بارہ بنکوی اسی خاموشی میں اپنی پہچان بنا چکے ہیں۔ ادب اور صحافت کی دنیا میں کچھ لوگ روشنی کی طرح ہوتے ہیں، جو خود تو خاموش رہتے ہیں مگر ان کی چمک دور تک اپنا اثر چھوڑتی ہے۔

ان کی شاعری میں احتیاطِ نظر، وقارِ لہجہ اور تہذیبی شعور کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ اس کیفیت کو ان کے ایک شعر میں یوں محسوس کیا جا سکتا ہے:

جسم کی آنچ سے روح جلنے لگی
اتنے نزدیک آنا نہیں چاہیے

یہی وہ وقار اور سنجیدگی ہے جو ان کی تحریر اور گفتگو دونوں میں جھلکتی ہے۔

ذکی طارق نہ صرف ایک سنجیدہ شاعر ہیں بلکہ ایک باخبر اور غیر جانب دار صحافی بھی ہیں۔ ان کے اندر روایت کا احترام بھی ہے اور جدید تقاضوں کا ادراک بھی۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ذکی طارق بارہ بنکوی کی پہچان صرف ان کی شاعری تک محدود نہیں رہتی۔ ان کے لفظ ملک و بیرونِ

ملک کے تمامی معیاری اخبارات، رسائل اور ادبی پورٹلز کے ذریعے دور دور تک پہنچے ہوئے ہیں اور یوں بارہ بنکی کا نام وسیع ادبی حلقوں میں احترام کے ساتھ لیا جانے لگا ہے۔ سرحد پار کے اخبارات، جنگ کے سنڈے میگزین اور کئی ادبی رسائل میں ان کے کلام اور ان کی شعوری شخصیت پر لکھے گئے مضامین کی اشاعت اس بات کی شہادت ہے کہ ان کا قلم سرحدوں کا پابند نہیں رہا۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جہاں جہاں اردو کے رسائل و اخبارات شائع ہوتے اور پہنچتے ہیں، وہاں وہاں ان کے کلام اور ان کے نام کی خوشبو بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔ مگر اس شناخت کے پیچھے ایک طویل خاموش محنت چھپی ہے۔ وہ محنت جو کتابت کے دنوں میں مختلف اردو اخبارات کی میزوں پر صرف ہوئی۔ انہی دنوں میں انہوں نے زبان کی نزاکت، املا کی دیانت اور خبر کی پیشکش کے قرینے سیکھے، جو آج ان کی شاعری اور ادارت دونوں میں جھلکتے ہیں۔

ان کی نعتیہ شاعری ایک قلبی لگاؤ کا مظہر ہے، جس میں جذبہ، سادگی اور ادب کا خوبصورت امتزاج ہے۔ وہ نعت گوئی کو محض صنفِ شاعری نہیں بلکہ اپنے عقیدے، تہذیب اور سیرت کے اظہار کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس جذبے کی جھلک ان اشعار میں دیکھی جا سکتی ہے:

پیارا نبی ایمان عطا کرنے آیا
مردہ تھے ہم، جان عطا کرنے آیا
جس طرح اک پھول ہو خاروں کے بیچ
یوں نبی لگتے تھے کفاروں کے بیچ
کرم آمیز، دلآویز، کیف انگیز کتنا ہے
مرے آقا کا اسمِ پاک راحت خیز کتنا ہے
دل کی دھڑکن میں بھی فکرِ امت رہی
میرے سرکار کا سوچنا سوچئے

یہ اشعار محض عقیدت کا اظہار نہیں ہیں بلکہ ایک عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی سچی صدا ہیں۔ یہاں کوئی تصنع نہیں، کوئی بناوٹ نہیں بس دل کی زبان ہے جو لفظوں میں ڈھل گئی ہے۔

نعت کے ساتھ ساتھ ان کی غزلیں بھی قاری کو ایک الگ ہی دنیا میں لے جاتی ہیں۔ وہاں محبت ہے تو اس کے ساتھ ذمہ داری کا احساس بھی ہے، جذبہ ہے تو اس کے ساتھ شعور کی آنچ بھی۔ مثال کے طور پر:

تجھے اپنا کے ماں کو چھوڑ تو دیں
مگر قدموں میں جنت ہے کریں کیا

یہ شعر رشتوں کی حرمت اور اخلاقی ترجیحات کا ایک خاموش مگر گہرا اعلان ہے۔ اسی طرح:

شفقت کے آس پاس مروت کے آس پاس
پاؤ گے ہم کو صرف محبت کے آس پاس

یہ اشعار بتاتے ہیں کہ ان کے یہاں محبت محض جذبہ نہیں بلکہ ایک تہذیبی قدر ہے۔

ذکی طارق بارہ بنکوی کا ایک شعری مجموعہ "الفاظ نگر" اردو اور ہندی زبان میں شائع ہو چکا ہے، جسے اہلِ ذوق نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اس کے علاوہ ایک نعتیہ مجموعہ زیرِ ترتیب ہے، جو ان کے فکری اور روحانی سفر کی ایک اور جھلک پیش کرے گا۔ یہ تسلسل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شاعری کو وقتی شوق نہیں بلکہ عمر بھر کی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

بحیثیت مدیر، وہ گزشتہ چار برسوں سے ہفت روزہ "صدائے بسمل" اپنے ذاتی وسائل سے شائع کر رہے ہیں اور اب پانچویں سال میں قدم رکھ چکے ہیں۔ یہ سفر محض اشاعت کا نہیں، صبر، برداشت اور مسلسل قربانیوں کا سفر ہے، جہاں اکثر راستے تنہا طے کرنے پڑتے ہیں۔ ایسے زمانے میں جب صحافت اکثر تجارتی مفادات یا دباؤ کی نذر ہو جاتی ہے، وہ خاموشی سے اردو کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ خدمت کسی سرکاری منصب یا مالی سہولت کے سہارے نہیں، بلکہ خالص ذاتی محنت اور زبان سے محبت کے جذبے کے تحت انجام پا رہی ہے۔

یہ بھی کم اہم نہیں کہ وہ آج بھی اپنے قصبے کے ایک انٹر کالج میں اردو پڑھاتے ہیں۔ نجی حیثیت سے، کسی سرکاری عہدے یا مراعات کے بغیر۔ ان کی تدریس محض سبق پڑھانا نہیں، بلکہ نئی نسل کے ذہن میں زبان کی محبت اور لفظوں کی حرمت بٹھانا ہے۔ شاید اسی لیے ان کی تحریر میں زمین سے جڑا ہوا سچ بولتا ہے اور ان کے لہجے میں دکھ سکھ کی سمجھ نظر آتی ہے۔ شاعری کی پرواز ہو یا کتابت کی مشقت، ادارت کی ذمہ داری ہو یا تدریس کی خدمت ان سب راستوں پر چلتے ہوئے انہوں نے لفظوں کو محض ذریعۂ اظہار نہیں رہنے دیا، بلکہ انہیں لوگوں کے دلوں تک پہنچنے کا وسیلہ بنا دیا ہے۔

ایسے خادمِ اردو کو سلام پیش کرنا بنتا ہے، جو کسی مفاد یا صلے کے بغیر خاموشی سے اپنی زبان کی خدمت میں جُتا ہوا ہے۔ واقعی، ذکی طارق بارہ بنکوی کے لیے "اردو کا سچا خادم" کا لقب موزوں معلوم ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی موجودگی ہی کسی زبان کی اصل زندگی ہوتی ہے، ورنہ زبانیں صرف کتابوں میں دفن ہو جایا کرتی ہیں۔

ذکی ڈوب کر عشقِ سرکار میں
بچی زندگی خوبصورت کرو

یہ شعر محض نعتیہ جذبہ نہیں، بلکہ ایک مکمل طرزِ زندگی کا اعلان ہے۔ ایسا طرزِ زندگی جس میں خدمت، محبت، وقار اور سچائی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

حفظان صحت

کیا کاسمیٹکس واقعی نقصان دہ ہیں؟

خوبصورتی، ہارمونز اور جلد کی صحت کے درمیان چھپی حقیقت ایک ماہر امراض جلد کا نقطۂ نظر۔

مضمون نگار: ڈاکٹر ام فرح۔ ایم ڈی (ڈرمیٹولوجی)
پیشکش: محمد شہید حسین عطاری
مرکزی جامعۃ المدینہ فیضان عطار نیپال گنج نیپال

خوبصورتی کا حصول اور اپنی ظاہری شخصیت کو پرکشش بنانا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ قدیم زمانے میں جڑی بوٹیوں اور قدرتی روغن سے شروع ہونے والا یہ سفر آج ایک ایسی عالمی صنعت کی شکل اختیار کر چکا ہے جہاں ہر روز ہزاروں نئی مصنوعات بازار میں متعارف کرائی جاتی ہیں۔ چاہے وہ صبح کا فیس واش ہو، دھوپ سے بچاؤ کی سن اسکرین ہو یا شام کی کسی تقریب کے لیے بھاری میک اپ کاسمیٹکس ہماری زندگی کا اٹوٹ انگ بن چکے ہیں۔ لیکن اس چمک دمک کے پیچھے ایک خاموش سوال ہمیشہ سر اٹھاتا ہے: "کیا یہ کیمیکل ہمیں بیمار کر رہے ہیں؟"

ایک ماہر جلد (Dermatologist) کی حیثیت سے میں نے محسوس کیا ہے کہ کہ لوگ یا تو ان مصنوعات کے بارے میں ضرورت سے زیادہ خوف زدہ ہیں یا پھر بالکل لاپرواہ حقیقت ان دونوں انتہاؤں کے درمیان کہیں چھپی ہوئی ہے۔

سب سے پہلے ہمیں اس غلط فہمی کو دور کرنا ہوگا کہ کیمیکل ہمیشہ کوئی بری چیز ہوتی ہے۔ سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو کائنات کی ہر شے، یہاں تک کہ وہ پانی جو ہم پیتے ہیں اور وہ ہوا جس میں ہم سانس لیتے ہیں، کیمیکلز پر مشتمل ہے۔ جب ہم کسی کریم کی بوتل پر لکھے طویل اور مشکل نام پڑھتے ہیں، تو ہمیں لگتا ہے کہ یہ زہر ہے۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ کیمیکل کا ہونا نہیں بلکہ اس کی مقدار (Dosage) اور اس کا استعمال ہے۔ ایک معیاری کمپنی جب کوئی پروڈکٹ تیار کرتی ہے، تو وہاں اجزاء کو ایک خاص اور محفوظ تناسب میں رکھتی ہے۔ تاہم، جب ہم ایک ہی وقت میں دس مختلف قسم کی مصنوعات استعمال کرتے ہیں، تو ان اجزا کی مجموعی مقدار بڑھ جاتی ہے، جو جلد کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

ہارمونل نظام پر اثرات: افسانہ یا حقیقت؟

حالیہ برسوں میں ایک اصطلاح بہت مشہور ہوئی ہے: اینڈو کرائن ڈسرپٹرز (Endocrine Disruptors)- یہ وہ مادے ہیں جو ہمارے جسم کے ہارمونز (جو میٹابولزم، نشوونما اور تولیدی نظام کو کنٹرول کرتے ہیں) کی نقل کر سکتے ہیں یا ان کے کام میں مداخلت کر سکتے ہیں۔

تحقیقات بتاتی ہیں کہ کچھ کیمیکلز جیسے "پیرابینز" اور تھالیٹس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ انسانی ہارمون ایسٹروجن کی مشابہت اختیار کر لیں۔ لیکن یہاں ایک بڑا سوال موجود ہے۔ لیبارٹری میں کسی چوہے کو ان کیمیکلز کی بھاری مقدار کھلانا ایک الگ بات ہے، اور ایک انسان کا اپنی جلد پر تھوڑی سی کریم لگانا بالکل الگ۔ انسانی جلد ایک بہت ہی مضبوط ڈھال ہے جو ہر چیز کو خون میں جذب نہیں ہونے دیتی۔ لہٰذا، عام استعمال میں ان مصنوعات سے ہارمونز کے بگڑنے کا خطرہ بہت ہی کم ہوتا ہے، لیکن حاملہ خواتین اور چھوٹے بچوں کے معاملے میں احتیاط کی ضرورت بہرحال رہتی ہے۔ آئیے اب ہم ان اجزاء پر بات کرتے ہیں جو اکثر بحث کا موضوع بنتے ہیں:

۱ پیرابنز: (Parabens) یہ وہ اجزا ہیں جو کاسمیٹکس کو جراثیم اور کائی سے بچاتے ہیں۔ ان کے بغیر آپ کی کریم چند ہی دنوں میں سڑ سکتی ہے۔ اگرچہ ان پر بہت تنقید ہوتی ہے، لیکن سائنسی ماہرین کے مطابق ان کی وہ مقدار جو کاسمٹکس میں استعمال ہوتی ہے، عام طور پر محفوظ ہے۔

موضوع بنتے ہیں:

۲ تھائیٹس:(Phthalates) یہ عام طور پر خوشبوؤں اور نیل پالش میں پائے جاتے ہیں۔ یہ پلاسٹک کو لچکدار بنانے اور خوشبو کو دیر پا رکھنے کے کام آتے ہیں۔ کچھ ماہرین ان کے حوالے سے زیادہ فکرمند رہتے ہیں، اسی لیے اب بازار میں "Phthalate-free" مصنوعات کی مانگ بڑھ رہی ہے۔

خوشبو:(Fragrance) یہ کامیٹکس کا سب سے خطرناک پہلو ثابت ہو سکتا ہے۔ خوشبو کے پردے میں کمپنیاں سینکڑوں کیمیکلز چھپا سکتی ہیں۔ یہ الرجی، خارش، چھینکوں اور یہاں تک کہ سانس کے مسائل کی سب سے بڑی وجہ بنتی ہے۔

کچھ سستی 4: (Heavy Metals) ہیوی میٹلز کچھ سستی لپ اسٹکس اور آئی لائنرز میں سیسہ (Lead) یا آرسینک کی معمولی مقدار پائی جا سکتی ہے۔ اگرچہ یہ مقدار بہت کم ہوتی ہے، لیکن چونکہ لپ اسٹک پیٹ میں جانے کا خدشہ ہوتا ہے، اس لیے ہمیشہ مستند برانڈز کا انتخاب ضروری ہے۔

کون سی مصنوعات زیادہ حساس ہیں؟

ہمیں ان چیزوں پر زیادہ توجہ دینی چاہیے جو ہماری جلد زیادہ دیر رہتی ہیں۔ مثلاً:

فاؤنڈیشن اور بی بی کریم: یہ سارا دن چہرے پر رہتی ہیں اور مساموں میں جذب ہوتی ہیں۔

ہیئر ڈائی: بالوں کے رنگوں میں موجود پی پی ڈی (PPD) شدید الرجی پیدا کر سکتا ہے۔

لانگ لاسٹنگ لپ اسٹک: یہ جلد کو خشک کر سکتی ہیں اور ان کے اجزا معدے تک پہنچ سکتے ہیں۔

اس کے برعکس، فیس واش یا شیمپو جلد پر صرف چند سیکنڈ کے لیے رہتے ہیں، اس لیے ان کا نقصان دہ اثر کم ہوتا ہے۔

محفوظ رہنے کا راستہ:

ایک ماہر جلد کے طور پر میں اپنے قارئین کو درج ذیل مشورے دوں گی:

ا سادگی اپنائیں:(Minimalism) اپنی روٹین سادہ رکھیں۔ معیاری پروڈکٹس کا استعمال کریں۔

۲ لیبل پڑھنے کی عادت ڈالیں: اگر آپ کی جلد حساس ہے تو ایسی مصنوعات تلاش کریں جن پر "Fragrance Hypoallergenic" " لکھا ہو۔ یاد رکھیں "Unscented" "free" اور "Fragrance-free" میں فرق ہوتا ہے، کبھی کبھی بو چھپانے کے لیے بھی کیمیکلز ڈالے جاتے ہیں۔

۳ پیچ ٹیسٹ کی اہمیت: کوئی بھی مہنگی پروڈکٹ خریدنے کے بعد اسے براہ راست چہرے پر نہ لگائیں۔ پہلے اپنی کلائی یا کان کے پیچھے تھوڑی مقدار لگائیں اور ۲۴ گھنٹے انتظار کریں۔ اگر سرخی یا خارش نہ ہو، تبھی اسے استعمال کریں۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ویر عبد الحمید: جرأت، قربانی اور حب الوطنی کی لازوال

شمس آغاز
ایڈیٹر، دی کوریج
9716518126

ہندوستان کی عسکری تاریخ میں کچھ ایسے نام ہمیشہ زندہ رہتے ہیں جنہیں وقت کی گرد کبھی دھندلا نہیں سکتی۔ یہ وہ عظیم شخصیات ہوتی ہیں جنھوں نے اپنی جان، اپنے آرام اور اپنی خواہشات کو وطن کی سلامتی اور عزت پر قربان کر دیا۔ ایسے ہی لازوال کرداروں میں ویر عبد الحمید کا نام سنہرے حروف سے لکھا جاتا ہے۔ ان کی زندگی حب الوطنی، جرأت، فرض شناسی اور قربانی کی ایسی روشن مثال ہے جس پر ہندوستانی فوج کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ انہوں نے ۱۹۶۵ کی ہند-پاک جنگ میں جس بے مثال بہادری کا مظاہرہ کیا، وہ آج بھی عسکری تاریخ کے اہم ترین ابواب میں شمار کیا جاتا ہے۔ ویر عبد الحمید یکم جولائی ۱۹۳۳ کو اتر پردیش کے ضلع غازی پور کے ایک چھوٹے سے گاؤں دھامو پور میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک سادہ، محنتی اور متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد محمد عثمان پیشے کے اعتبار سے درزی تھے، جبکہ والدہ ایک گھریلو خاتون تھیں۔ گھر کے حالات اگرچہ زیادہ خوشحال نہیں تھے، لیکن والدین نے اپنے بچوں کی تربیت دیانت داری، محنت اور خودداری کے اصولوں پر کی۔ عبد الحمید بچپن ہی سے نہایت بہادر، خود اعتماد اور مضبوط ارادوں کے مالک تھے۔ وہ جسمانی طور پر بھی چست و توانا تھے اور کھیل کود کے ساتھ ساتھ ہمیشہ اپنے ساتھیوں کی مدد کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ کم عمری ہی سے ان کے دل میں وطن کی خدمت کا جذبہ موجزن تھا۔ یہی جذبہ انہیں ہندوستانی فوج تک لے گیا اور ۲۷ دسمبر ۱۹۵۴ کو انہوں نے فوج میں باقاعدہ شمولیت اختیار کی۔ انہیں مشہور ۴ گرینیڈیئرز رجمنٹ میں شامل کیا گیا، جو

اپنی بہادری اور شاندار جنگی روایات کے لیے معروف ہے۔ فوجی تربیت کے دوران ہی ان کی غیر معمولی صلاحیتوں نے اپنے افسران کو متاثر کیا۔ وہ بہترین نشانہ باز تھے، حالات کا فوری اندازہ لگانے کی صلاحیت رکھتے تھے اور ہر مشکل صورتِ حال میں پُر اعتماد رہتے تھے۔ اپنی محنت، فرض شناسی اور بہترین کارکردگی کی بدولت وہ جلد ہی ساتھی فوجیوں اور افسران کے درمیان ایک قابلِ اعتماد سپاہی کے طور پر پہچانے جانے لگے۔

نکاح سے قبل ضرور سوچیں

محمد مسلم کبیر، لاتور

(ایک کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے چند اہم نکات)

اسلام میں نکاح صرف دو افراد کا باہمی معاہدہ نہیں بلکہ دو خاندانوں، دو سوچوں اور دو زندگیوں کا حسین امتزاج ہے۔ یہ ایک مقدس رشتہ ہے جس کی بنیاد محبت، اعتماد، ایثار، اخلاق اور ذمہ داری پر قائم ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ آج کے دور میں نکاح کے فیصلے اکثر ظاہری خوبصورتی، وقتی جذبات، دولت یا سماجی دباؤ کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں بعد از نکاح بے شمار مسائل جنم لیتے ہیں۔

اسلام نے نکاح سے قبل غور و فکر، تحقیق اور مشورے کی تعلیم دی ہے تاکہ آنے والی زندگی سکون، اعتماد اور خوشیوں سے بھرپور ہو۔ اس لیے نکاح سے پہلے چند بنیادی نکات پر سنجیدگی سے غور کرنا بے حد ضروری ہے۔

۱۔ میڈیکل ٹیسٹ کی اہمیت:-

صحت مند معاشرہ صحت مند خاندان سے وجود میں آتا ہے۔ نکاح سے قبل میڈیکل ٹیسٹ کروانا نہ صرف عقلمندی ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے تحفظ کا ذریعہ بھی ہے۔ بعض موروثی بیماریاں، خون کی خرابیاں یا متعدی امراض بعد میں گھریلو پریشانیوں کا سبب بن سکتے ہیں۔

آج دنیا بھر میں طبی معائنہ ایک ضروری اقدام سمجھا جا رہا ہے تاکہ شوہر و بیوی ایک دوسرے کی صحت سے آگاہ ہوں اور مستقبل میں کسی بڑے نقصان سے بچ سکیں۔ اسلام بھی احتیاط، صفائی اور انسانی جان کے تحفظ کی تعلیم دیتا ہے۔ لہٰذا میڈیکل ٹیسٹ کو معیوب سمجھنے کے بجائے ایک ذمہ دارانہ عمل سمجھنا چاہیے۔

۲۔ داخلی اخلاق و عادات:-

خوبصورتی وقتی ہوتی ہے مگر اخلاق ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔ نکاح سے قبل صرف چہرہ نہیں بلکہ کردار دیکھنا ضروری ہے۔ انسان کا غصہ، گفتگو کا انداز، برداشت، سچائی، امانت داری، والدین کے ساتھ رویہ، نماز و عبادات کی پابندی اور دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک اُس کی اصل شخصیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اکثر رشتے اس لیے ناکام ہوتے ہیں کہ لوگ ظاہری چیزوں کو ترجیح دیتے ہیں مگر اخلاقی تربیت اور مزاجی ہم آہنگی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایک اچھا اخلاق رکھنے والا انسان غربت میں بھی سکون دیتا ہے جبکہ بد اخلاق شخص دولت کے باوجود زندگی کو عذاب بنا دیتا ہے۔

۳۔ خاندانی پس منظر:-

نکاح صرف دو افراد نہیں بلکہ دو خاندانوں کا تعلق ہوتا ہے۔ اس لیے خاندان کی دینی فضا، تربیت، رسم و رواج، تعلیم، اخلاقی ماحول اور سماجی رویّوں کو سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ اگر دونوں خاندانوں کی سوچ، اقدار اور طرزِ زندگی میں حد سے زیادہ فرق ہو تو بعد میں اختلافات پیدا ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اس لیے رشتہ طے کرتے وقت خاندان کے ماحول، عزت، شرافت اور تربیت کو ضرور مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ اچھا خاندان اولاد کی بہترین تربیت میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۴۔ معاشی نظام اور ذمہ داریاں:-

ازدواجی زندگی صرف محبت سے نہیں چلتی بلکہ ذمہ داری، منصوبہ بندی اور معاشی توازن بھی ضروری ہوتا ہے۔ نکاح سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ آمدنی کا ذریعہ کیا ہے، اخراجات کا انداز کیسا ہے، مستقبل کی منصوبہ بندی موجود ہے یا نہیں، اور مالی معاملات میں دیانت داری کتنی ہے۔ ضرورت سے زیادہ فضول خرچی، قرضوں کا بوجھ یا غیر ذمہ دارانہ مالی رویہ بعد میں گھریلو جھگڑوں کا سبب بن سکتا ہے۔ اسلام اعتدال، قناعت اور حلال رزق کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لیے دولت کی نمائش کے بجائے حلال، باعزت اور متوازن معاشی نظام کو اہمیت دینی چاہیے۔

۵۔ سماجی زندگی اور معاشرتی رویّے:-

انسان جس ماحول میں رہتا ہے اُس کا اثر اُس کی شخصیت پر ضرور پڑتا ہے۔ نکاح سے پہلے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ سامنے والے کی سماجی زندگی کیسی ہے، دوستوں کا حلقہ کیسا ہے، معاشرے میں اُس کا کردار کیا ہے اور وہ لوگوں کے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے۔ بعض لوگ گھر میں اچھے نظر آتے ہیں مگر سماجی طور پر غیر ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض افراد سوشل میڈیا، فضول محفلوں یا غلط صحبتوں میں اس قدر مگن ہوتے ہیں کہ خاندانی زندگی متاثر ہونے لگتی ہے۔ اس لیے سماجی رویّوں کا جائزہ لینا بھی ایک دانشمندانہ قدم ہے۔

۶-اسلام کی خوبصورت تعلیم:-

رسولِ اکرم ﷺ نے نکاح کے معاملے میں دین، اخلاق اور کردار کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ اگر نکاح صرف مال، خوبصورتی یا شہرت کی بنیاد پر ہوگا تو وقتی کشش تو پیدا ہو سکتی ہے مگر دائمی سکون حاصل نہیں ہوگا۔ کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے ایمان، اخلاق، اعتماد اور باہمی احترام ضروری ہیں۔

نکاح زندگی کا سب سے اہم فیصلہ ہے، اس لیے جذبات کے بجائے حکمت، تحقیق اور مشورے سے فیصلہ کرنا چاہیے۔ صرف چند دن کی خوشیوں کے لیے پوری زندگی کو آزمائش میں ڈال دینا دانشمندی نہیں۔ اگر نکاح سے قبل صحت، اخلاق، خاندان، معاشی نظام اور سماجی زندگی جیسے نکات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو بے شمار گھریلو مسائل سے بچا جا سکتا ہے۔

محمد مسلم کبیر، لاتور
۸۲۰۸۴۳۵۴۱۴

MD.MUSLIM KABIR,
Freelance Journalist,
Latur(Maharashtra)
Urdu/Marathi/Hindi
Media,
Email:
alkabir786@gmail.com
Cell-
09175978903/8208435414

یکساں سول کوڈ: آئینی تقاضا یا سیاسی ایجنڈا؟

از قلم: ڈاکٹر سید تابش امام

ہندوستان کی جمہوری سیاست میں بعض موضوعات ایسے ہوتے ہیں جو وقتاً فوقتاً انتخابی منظر نامے پر اس شدت کے ساتھ ابھرتے ہیں کہ وہ ملک کے بنیادی مسائل پر بھی غالب آجاتے ہیں۔ یکساں سول کوڈ (Uniform Civil Code) انہی موضوعات میں سے ایک ہے، جس نے گزشتہ چند برسوں میں آئینی، سیاسی اور سماجی حلقوں میں غیر معمولی اہمیت حاصل کی ہے۔ حالیہ دنوں مغربی بنگال میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت کے قیام کے بعد وزیر اعلیٰ شوبھیندو ادھیکاری کی جانب سے یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کے عزم نے اس بحث کو نئی توانائی عطا کی ہے۔ حکومت اسے آئین کے آرٹیکل ۴۴ کی تکمیل، صنفی مساوات اور قانونی یکسانیت کی سمت ایک تاریخی پیش رفت قرار دے رہی ہے، جبکہ ناقدین کے نزدیک یہ صرف قانونی اصلاح کا معاملہ نہیں بلکہ ایک ایسا سیاسی موضوع بھی ہے جسے انتخابی سیاست میں خاص اہمیت دی جا رہی ہے۔

یہ بحث ایسے وقت میں زور پکڑ رہی ہے جب ملک بے روزگاری، مہنگائی، کسانوں کے معاشی بحران، تعلیمی پسماندگی، صحت کی ناکافی سہولتوں اور معاشی ناہمواری جیسے سنگین مسائل سے نبرد آزما ہے۔ ایسے حالات میں یہ سوال اٹھنا فطری ہے کہ کیا واقعی یکساں سول کوڈ آج ہندوستان کی سب سے بڑی آئینی ضرورت ہے، یا پھر یہ ایک ایسا سیاسی بیانیہ بن چکا ہے جس کے ذریعے عوامی توجہ بنیادی مسائل سے ہٹا کر ایک حساس سماجی موضوع کی طرف مرکوز کی جا رہی ہے؟

اس سوال کا جواب سیاسی جذبات یا جماعتی وابستگی سے بالاتر ہو کر آئین، عدالتی نظائر، دستور ساز اسمبلی کی بحثوں اور ہندوستان کے تکثیری سماجی ڈھانچے کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا۔ ہندوستان کی بنیاد مذہبی یا ثقافتی یکسانیت پر نہیں بلکہ تنوع پر استوار ہے۔ مختلف مذاہب، زبانیں، تہذیبیں اور روایات اس ملک کی اجتماعی شناخت کا حصہ ہیں۔ آئین سازوں نے اسی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے ایک ایسا دستور مرتب کیا جس میں مساوات اور مذہبی آزادی کو ایک دوسرے کا متبادل نہیں بلکہ باہم مربوط اقدار کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ اسی لیے یکساں سول کوڈ کی بحث صرف قانون سازی تک محدود نہیں بلکہ مذہبی آزادی، آئینی توازن اور قومی ہم آہنگی سے بھی تعلق رکھتی ہے۔

یکساں سول کوڈ کا بنیادی تصور یہ ہے کہ شادی، طلاق، وراثت، گود لینے اور نان و نفقہ جیسے عائلی معاملات میں مذہب کی بنیاد پر الگ الگ قوانین کے بجائے تمام شہریوں پر ایک ہی قانون نافذ ہو۔ اس تصور کا آئینی حوالہ آرٹیکل ۴۴ ہے، جو ریاست کو ہدایت دیتا ہے کہ وہ مناسب حالات میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی کوشش کرے۔ تاہم یہ امر پیش نظر رہنا چاہیے کہ آرٹیکل ۴۴ بنیادی حقوق میں شامل نہیں بلکہ ریاستی پالیسی کے رہنما اصولوں کا حصہ ہے۔ اس کے برعکس آرٹیکل ۲۵ مذہبی آزادی، آرٹیکل ۲۶ مذہبی اداروں کے انتظامی حقوق اور آرٹیکل ۲۹ و ۳۰ اقلیتوں کی ثقافتی اور تعلیمی شناخت کے تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں۔ چنانچہ آئین کا تقاضا یہی ہے کہ ان تمام دفعات کو ایک دوسرے کی روشنی میں سمجھا جائے، نہ کہ کسی ایک دفعہ کو بنیاد بنا کر باقی آئینی ضمانتوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔

دستور ساز اسمبلی کی کارروائی اس حقیقت کی شاہد ہے کہ یکساں سول کوڈ کا سوال آزادی کے بعد بھی اتفاقِ رائے کا حامل نہیں تھا۔ کے۔ ایم۔ منشی اور بعض دوسرے اراکین کا خیال تھا کہ ایک جدید جمہوری ریاست کو بالآخر مشترک عائلی قانون کی طرف پیش رفت کرنی چاہیے، جبکہ مسلم اراکین، خصوصاً محمد اسماعیل، اس بات پر زور دیتے تھے کہ شخصی قوانین مذہبی آزادی کا حصہ ہیں اور ان میں زبردستی مداخلت آئین کی روح سے مطابقت نہیں رکھتی۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے بھی نہایت متوازن موقف اختیار کرتے ہوئے واضح کیا کہ اگرچہ ریاست کے پاس قانون سازی کا اختیار ہوگا، لیکن کسی بھی اصلاح کو عوامی قبولیت اور سماجی آمادگی کے بغیر نافذ کرنا دانش مندی نہیں ہوگی۔ یہی تاریخی حقیقت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ آرٹیکل ۴۴ کو بنیادی حقوق کے بجائے رہنما اصولوں میں شامل کیا گیا تاکہ مستقبل میں حالات کے مطابق اس پر غور کیا جا سکے۔

آج کی سیاسی بحث میں افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس تاریخی پس منظر کا ذکر بہت کم ہوتا ہے۔ عوام کے سامنے اکثر یہ تاثر پیش کیا جاتا ہے کہ یکساں سول کوڈ نافذ ہوتے ہی تمام قانونی پیچیدگیاں اور سماجی ناانصافیاں ختم ہو جائیں گی، حالانکہ زمینی حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اگر ریاست کا اصل مقصد مساوات قائم کرنا ہے تو یہ سوال بھی ناگزیر ہے کہ کیا ملک میں سب کے لیے یکساں تعلیمی نظام، معیاری طبی سہولتیں، مساوی معاشی مواقع اور بروقت انصاف کی ضمانت موجود ہے؟ جب بنیادی شہری سہولتوں میں ہی نمایاں فرق برقرار ہے تو صرف شخصی قوانین کو مساوات کا پیمانہ قرار دینا مکمل تصویر پیش نہیں کرتا۔

یکساں سول کوڈ کے حامی حلقے عموماً سپریم کورٹ کے چند اہم فیصلوں کا حوالہ دیتے ہیں، لیکن ان فیصلوں کا صحیح قانونی تناظر بھی پیش نظر رہنا چاہیے۔ ۱۹۸۵ کے شاہ بانو مقدمے میں عدالتِ عظمیٰ نے مطلقہ مسلم خاتون کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے آرٹیکل ۴۴ کا حوالہ ضرور دیا، مگر حکومت کو یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی کوئی ہدایت نہیں دی۔ بعد ازاں پارلیمنٹ نے مسلم ویمن (پروٹیکشن آف رائٹس آن ڈائیورس) ایکٹ، ۱۹۸۶ منظور کیا، جس سے یہ اصول مزید واضح ہوا کہ قانون سازی کا اختیار پارلیمنٹ کے پاس ہے اور عدالتیں آئینی تشریح کے ذریعے رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

اسی طرح ۱۹۹۵ کے سرلا مدگل مقدمے میں عدالت نے مذہب تبدیل کر کے دوسری شادی کے رجحان پر تشویش ظاہر کی اور مختلف شخصی قوانین کے درمیان موجود تضادات کی نشاندہی کی، لیکن وہاں بھی پارلیمنٹ کے قانون سازی کے اختیار کو بنیادی اہمیت دی گئی۔ بعد ازاں سائرہ بانو مقدمے میں سپریم کورٹ نے ایک مجلس میں تین طلاق کو غیر آئینی قرار دیا، تاہم اس فیصلے کو پورے مسلم پرسنل لا کے خاتمے یا یکساں سول کوڈ کے لازمی نفاذ سے جوڑنا درست قانونی تعبیر نہیں ہوگی۔ ان تمام فیصلوں کا مجموعی پیغام یہی ہے کہ اصلاحات کی گنجائش موجود ہے، لیکن ان کا راستہ آئینی تقاضوں، قانون سازی اور سماجی قبولیت سے ہو کر گزرتا ہے۔

اگر یکساں سول کوڈ کا مقصد واقعی تمام شہریوں کے لیے یکساں قانون نافذ کرنا ہے تو پھر ایک بنیادی سوال خود اس تصور کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اتراکھنڈ میں نافذ کیے گئے یکساں سول کوڈ میں بعض قبائلی برادریوں کو اس کے دائرۂ کار سے باہر رکھا گیا ہے، جبکہ آئین کی چھٹی جدول کے تحت شمال مشرق کی متعدد ریاستوں کے قبائل کو بھی اپنے روایتی قوانین کے مطابق زندگی گزارنے کا آئینی حق حاصل ہے۔ اگر قانون کی بنیاد واقعی مساوات اور یکسانیت ہے تو پھر مختلف طبقات کے لیے الگ الگ استثنا کی گنجائش کیوں رکھی گئی؟ یہ ایسا سوال ہے جس کا اب تک کوئی واضح اور ہمہ گیر جواب سامنے نہیں آ سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں استثنا شروع ہوتا ہے، وہاں "یکسانیت" کا تصور بھی بحث طلب ہو جاتا ہے۔

اسی لیے یکساں سول کوڈ کی بحث کو محض اکثریت اور اقلیت کے تناظر میں دیکھنے کے بجائے آئین کی مجموعی روح کے مطابق سمجھنے کی ضرورت ہے۔ قانون کی اصل طاقت اس کے غیر جانب دارانہ اطلاق اور عوامی اعتماد میں پوشیدہ ہوتی ہے، نہ کہ اس کے انتخابی استعمال میں۔ اگر کسی قانون کے نفاذ سے ملک کے کسی طبقے میں اپنی مذہبی یا ثقافتی شناخت کے بارے میں خدشات پیدا ہوتے ہیں تو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان خدشات کو سنجیدگی سے سنے اور مکالمے کے ذریعے اعتماد بحال کرے۔ مغربی بنگال میں نئی حکومت کی جانب سے یکساں سول کوڈ کو ترجیحی ایجنڈے میں شامل کیے جانے کے بعد یہ بحث مزید شدت اختیار کر گئی ہے۔ حکومت کا مؤقف ہے کہ یہ اقدام خواتین کے حقوق، صنفی مساوات اور آئینی یکسانیت کی جانب ایک تاریخی پیش رفت ثابت ہوگا، لیکن اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ ملک اس وقت بے روزگاری، مہنگائی، کسانوں کے معاشی بحران، صنعتی سست روی، تعلیمی ابتری اور صحت کے بنیادی ڈھانچے کی کمزوری جیسے سنگین مسائل سے بھی دوچار ہے۔ ایسے حالات میں عوام کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونا فطری ہے کہ کیا ان مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ یکساں سول کوڈ کو بھی اسی درجے کی فوری ترجیح حاصل ہونی چاہیے؟

یہ بھی درست ہے کہ خواتین کے حقوق کا تحفظ کسی بھی مہذب معاشرے کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اگر کسی شخصی قانون میں ایسا پہلو موجود ہو جو آئین کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہو تو اس پر غور اور اصلاح ہونی چاہیے۔ تاہم یہ سوال اپنی جگہ برقرار رہتا ہے کہ کیا اصلاح کا واحد راستہ یکساں سول کوڈ ہی ہے، یا مختلف شخصی قوانین میں متعلقہ برادریوں کی مشاورت، عدالتی رہنمائی اور پارلیمانی قانون سازی کے ذریعے بھی مطلوبہ تبدیلیاں لائی جا سکتی ہیں؟ ہندوستان کا قانونی اور سماجی تجربہ دوسری رائے کی تائید کرتا ہے۔

یہ امر بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ شخصی قوانین صرف مسلمانوں تک محدود نہیں ہیں۔ ہندو، عیسائی، پارسی اور دیگر مذہبی برادریوں کے اپنے عائلی قوانین بھی موجود ہیں، جن میں مختلف ادوار میں اصلاحات کی گئی ہیں۔ ہندو کوڈ بل کی منظوری بھی طویل بحث، شدید سیاسی اختلاف اور وسیع سماجی مشاورت کے بعد ممکن ہو سکی تھی۔ اس تاریخی تجربے سے یہی سبق ملتا ہے کہ پائیدار اصلاحات وہی ہوتی ہیں جو سماجی قبولیت کے ساتھ آگے بڑھتی ہیں، نہ کہ محض قانونی قوت کے ذریعے نافذ کر دی جائیں۔

اس پورے مباحثے میں ایک بنیادی سوال مسلسل اپنی جگہ موجود ہے۔ اگر ریاست کا مقصد حقیقی مساوات قائم کرنا ہے تو کیا مساوات کا دائرہ صرف شخصی قوانین تک محدود رہنا چاہیے؟ آج بھی ملک کے کروڑوں شہری معیاری تعلیم، بہتر طبی سہولت، صاف پینے کے پانی، باوقار روزگار، فوری انصاف اور سماجی تحفظ جیسی بنیادی ضروریات سے محروم ہیں۔ دیہی اور شہری علاقوں کے درمیان ترقی کا فرق مسلسل بڑھ رہا ہے، نوجوان روزگار کے بحران سے دوچار ہیں، کسان معاشی دباؤ جھیل رہے ہیں اور متوسط طبقہ مہنگائی کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ ایسے میں یہ سوال اپنی پوری معنویت کے ساتھ سامنے آتا ہے کہ کیا یکساں سول کوڈ ان مسائل کا کوئی براہِ راست حل فراہم کرتا ہے یا پھر یہ ایک ایسا سیاسی موضوع بن چکا ہے جو ہر انتخاب کے ساتھ از سرِ نو زندہ ہو جاتا ہے۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یکساں سول کوڈ پر بحث نہیں ہونی چاہیے یا اصلاحات کی ضرورت سے انکار کیا جائے۔ جمہوری معاشرے میں ہر آئینی مسئلے پر سنجیدہ، شائستہ اور مدلل بحث ہونی چاہیے۔ لیکن اس بحث کی بنیاد سیاسی نعرے، انتخابی مصلحت یا مذہبی جذبات نہیں بلکہ آئینی دیانت، قانونی استدلال اور سماجی حقیقت ہونی چاہیے۔ اختلافِ رائے کو دشمنی نہیں بلکہ جمہوریت کی قوت سمجھنا ہی ایک بالغ نظر معاشرے کی علامت ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت، اپوزیشن، آئینی ماہرین، قانون دان، خواتین کی نمائندہ تنظیمیں، مذہبی رہنما اور سول سوسائٹی اس حساس موضوع پر کھلے ذہن کے ساتھ بامعنی مکالمہ کریں۔ قانون سازی کا عمل اعتماد، شفافیت اور اتفاقِ رائے پر استوار ہونا چاہیے۔ ہندوستان جیسے متنوع معاشرے میں وہی قانون پائیدار ثابت ہوتا ہے جو صرف پارلیمنٹ کی منظوری ہی نہیں بلکہ عوام کا اعتماد بھی حاصل کرے۔

آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ سوال یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا نہیں بلکہ اس کے طریقۂ کار، آئینی جواز اور سماجی قبولیت کا بھی ہے۔ اگر اس کا مقصد واقعی انصاف، مساوات اور خواتین کے حقوق کا تحفظ ہے تو اس کے لیے سب سے مؤثر راستہ آئینی مکالمہ، وسیع عوامی مشاورت اور قومی اتفاقِ رائے ہے، نہ کہ سیاسی کشمکش یا انتخابی صف بندی۔ لیکن اگر یہ موضوع ہر انتخاب میں عوامی مسائل سے توجہ ہٹانے، مذہبی تقسیم کو گہرا کرنے یا سیاسی مفادات کے حصول کا ذریعہ بنتا رہا تو یہ خدشہ برقرار رہے گا کہ یکساں سول کوڈ اپنی آئینی اہمیت سے زیادہ ایک سیاسی حکمتِ عملی اور انتخابی ہتھیار کے طور پر دیکھا جاتا رہے گا۔

ہندوستان کی جمہوریت کی اصل طاقت اس کے آئین، اس کی تکثیری شناخت اور مختلف طبقات کے درمیان قائم باہمی اعتماد میں مضمر ہے۔ یہی اعتماد کسی بھی قانون کی کامیابی کی بنیاد بنتا ہے۔ اس لیے ہر ایسی اصلاح، جو کروڑوں شہریوں کی مذہبی، سماجی اور خاندانی زندگی سے براہِ راست متعلق ہو، اسے سیاسی عجلت کے بجائے آئینی بصیرت، سماجی حساسیت اور قومی مفاد کے وسیع تر تناظر میں آگے بڑھایا جانا چاہیے۔ یہی راستہ نہ صرف آئین کے وقار کے مطابق ہے بلکہ ہندوستان کی جمہوری روح کا بھی حقیقی تقاضا ہے۔ رابطہ۔۔۔ ۹۹۳۴۹۳۳۹۹۲

دعائیہ کلمات

ماشاء اللہ ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز نیپال کی دنیائے صحافت میں بڑھتے قدم اور دوحہ قطر جیسے ملک میں اہم نشست کا انعقاد ہونا نیپال اردو ٹائمز کی مقبولیت کی علامت ہے، مبارک ہو ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز نیپال کی اردو دنیا میں بڑھتے اقدام پر ٹائمز کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا عبد الجبار صاحب علیمی نظامی اور ان کی پوری ادارتی ٹیم کو خاکسار دلی مبارکباد پیش کرتا ہے، قاری رئیس احمد خان، چرہ محمد پور فیض آباد، ضلع ایودھیا، یوپی، انڈیا

"नेपाली बृहत् शब्दकोश-किताब"—ایک مختصر تعارف

نیپال پرگیہ پرتشٹھان، کملادی، کٹھمنڈو**

(नेपाल प्रज्ञा-प्रतिष्ठान, कमलादी, काठमाडौं) کی جانب سے شائع ہونے والا *"نیپالی برہت شبد کوش"* نیپالی زبان کے الفاظ کے معانی، استعمال اور تشریح کا ایک نہایت وقیع ذخیرہ ہے۔ تقریباً ۳۸۰ اسے زائد صفحات پر مشتمل اس لغت میں نہ صرف نیپالی الفاظ کی مفصل توضیح پیش کی گئی ہے بلکہ *اردو، عربی، انگریزی، جاپانی، ہندی* سمیت درجنوں زبانوں سے ماخوذ الفاظ کے معانی اور تفصیلات بھی شامل کی گئی ہیں۔

یہ لغت PDF کی صورت میں بھی دستیاب ہے اور موبائل ایپ کی شکل میں بھی استعمال کی جا سکتی ہے، جس کے ذریعے مطلوبہ لفظ کے معنی تک تیزی اور آسانی سے رسائی حاصل کی جا سکتی ہے، یوں وقت کی بھی بچت ہوتی ہے۔

نیپالی زبان کو صحیح، منظم اور گہرائی کے ساتھ سیکھنے، الفاظ کے معانی، ان کے استعمال اور زبان کی باریکیوں کو سمجھنے کے خواہش مند طلبہ، اساتذہ، مصنفین اور محققین کے لیے *"نیپالی برہت شبد کوش"* ایک نہایت مفید، مستند اور قابلِ اعتماد مرجع ہے۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز
Weekly The NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
تعارفی کالم
02/ جولائی 2026 مطابق 16/ محرم الحرام 1448ھ 18 گتے اساڑ 2083

ہندوستانی جیل خانوں کے بڑھتے مسائل، توجہ کی ضرورت!

سرفراز احمد قاسمی حیدرآباد
رابطہ:۸۰۹۹۶۹۵۱۸۶

ہندوستان سمیت دنیا بھر کے کئی ممالک میں قیدیوں کے بنیادی حقوق کی پامالی کوئی نئی بات نہیں ہے، اس قسم کے واقعات وقفے وقفے سے میڈیا اور اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں، ہندوستان کی جیلوں میں بھی ہمیشہ مسائل رہے ہیں اور ان کے حل کے لئے سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی یا اس پر بہت کم توجہ دی گئی ہے، اول تو عدالتوں میں مقدمات کی یکسوئی ہونے میں غیر معمولی تاخیر ہوا کرتی ہے پھر فیصلے ہونے کے بعد بھی فی الفور عمل اور بھی اہم چیلنج ہے، زیر دریافت قیدیوں اور قید و بند کی صعوبت جھیل رہے، لوگوں سے بدسلوکی اور مار پیٹ کے واقعات تو عام بات ہے، طویل عرصہ جیلوں میں زندگی کاٹنے والے بسا اوقات جیلوں میں ہی دم توڑ دیتے ہیں، رضاکارانہ خدمات انجام دینے والے افراد اور تنظیمیں بارہا قیدیوں کو درپیش مسائل کی جانب حکومت کی توجہ مرکوز کرانے کی کوشش کرتے رہے ہیں، لیکن ان سنی کی جاتی رہی ہے، پروفیسر جی این سائی بابا برسوں جیل میں رہے اور مصائب جھیلتے رہے ۱۰ برس کی قید سے رہائی کے چند ماہ بعد اکتوبر ۲۰۲۴ میں وہ چل بسے، رہائی کے بعد سائی بابا نے پریس کانفرنس میں بتایا تھا کہ جیل کے اندر انہیں کس قدر مسائل اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑا تھا، انہوں نے بتایا تھا کہ جیلوں میں نہ ضرورت سے فارغ ہونے کی سہولت رہی، نہ ہاتھ منھ دھونے کی سہولت تھی وہ ناگپور سینٹرل جیل میں تھے، انہیں اپنی ویل چیئر استعمال کرنے کے لیے ساتھی قیدیوں سے مدد لینی پڑتی تھی، ہندوستان کے جیل خانے تشدد، گالی گلوچ اور بنیادی سہولتوں کے فقدان کی وجہ سے کافی بدنام ہوتے رہے ہیں، سال ۱۹۷۹/ ۸۰ میں قیدیوں کی آنکھوں میں ایسڈ ڈالنے کا واقعہ پیش آیا تھا، جس سے پوری قوم دہل گئی تھی، ۱۹۸۰ کے دہے کے اوائل میں جیل اصلاحات سے متعلق ملا کمیٹی کی رپورٹ جاری کی گئی تھی، جس میں جیل کے حالات اور انتظامات کو بہتر بنانے کے لیے وسیع اقدامات تجویز کیے گئے تھے، لیکن حسب روایت عمل درآمد قدیم بہتری کے لیے کوئی قابل ذکر اقدامات نہیں کیے گئے، سال ۱۹۹۶ میں بنگلور سینٹرل جیل میں بند افراد نے چیف جسٹس آف انڈیا سے جیل کے اندر خراب اور انتہائی خستہ حالات کے بارے میں تحریری شکایت کی تھی، سپریم کورٹ نے بعد میں ایک کیس میں یہ ہدایات دی کہ جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدی نہ رکھے جائیں، مقدمات کی سماعت میں تاخیر نہ ہو، قیدیوں کو اذیت نہ پہنچائی جائے، لیکن برسوں گزر جانے کے بعد بھی جیلوں کے حالات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی ہے، وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے، ہندوستانی جیلوں میں آج بھی تقریبا پانچ لاکھ سے زیادہ افراد جیلوں میں ہیں، جبکہ جیلوں میں گنجائش ۴ لاکھ ۳۶ ہزار قیدیوں کے رہنے کی ہے، ہر دور حکومت میں ہندوستانی جیلوں کے حالات جوں کے توں، خراب اور ابتر رہے ہیں، جیلوں میں معذور قیدیوں کا استحصال باعث تشویش ہے، دوسرے قیدی اور افراد عملہ انہیں تشدد کا نشانہ بناتے ہیں، حکومت اب بھی ملک بھر کی جیلوں میں قید جسمانی معزورین کی حقیقی تعداد بتانے سے قاصر ہے، جیل کے اندر معذور قیدیوں کی حالت کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا جاتا، تمام معذور قیدیوں کو ویل چیئر تک فراہم نہیں کیے جاتے ہیں، ملاقات روم سمیت بنیادی سہولتیں تک دستیاب نہیں ہے، قیدیوں سے ملاقات کے انتظار میں بیٹھنے والے شہری مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں، جبکہ بین الاقوامی قوانین کے تحت ہر حکومت معزور قیدیوں کو درکار بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کی پابند ہے، اس کام میں کوتاہی اور تساہل افسوسناک ہے۔

ہندوستانی جیل خانوں کے بڑھتے مسائل، توجہ کی ضرورت!

گزشتہ چند مہینے قبل عراق کے رسوائے زمانہ ابوغریب جیل میں قیدیوں سے بدسلوکی اور تشدد کے معاملے پر معاوضہ ادا کرنے امریکی کنٹریکٹر کو حکم دیا گیا تھا، خبر کے مطابق ورجینیا کی ایک جیوری نے ریاست کی ایک فوجی کنٹریکٹر کو دو عشرے قبل عراق کی رسوائے زمانہ جیل ابو غریب میں تشدد اور بدسلوکی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے تین سابقہ قیدیوں کو چار کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر ادا کرنے کا حکم دیا تھا، آٹھ افراد پر مشتمل جیوری کا یہ فیصلہ اس سال کے شروع میں ایک اور جیوری کے اس بارے میں اتفاق نہ ہونے کے بعد آیا کہ آیا ورجینیا کے شہر ریسٹن میں قائم سی اے سی آئی کو اس کے سویلین تفتیش کاروں کے کام کا ذمہ دار ٹھہرایا جانا چاہیے، جنہوں نے ۲۰۰۳ سے ۲۰۰۴ تک امریکی فوج کے ساتھ کام کیا تھا، جیوری نے مقدمہ دائر کرنے والوں سہیل الشمری، صالح العجیلی اور اسد الزوبی میں سے ہر ایک کو ۳۰ لاکھ ڈالرز تلافی اور ۱۱ لاکھ ڈالر فی کس جیل میں ڈالنے کی پاداش میں ادا کرنے کا حکم دیا تھا، تینوں نے اپنی شہادت میں بتایا تھا کہ انہیں جیل میں مارپیٹ، جنسی تشدد، جبری عریاں کیے جانے اور دیگر ظالمانہ سلوک کا نشانہ بنایا گیا تھا، انہوں نے یہ الزام نہیں لگایا کہ سی اے سی آئی کے تفتیش کاروں نے اپنے طور پر بدسلوکیاں کی بلکہ یہ کہا کہ سی اے سی آئی ان کاروائیوں میں اس لیے ملوث ہے کیونکہ اس کے تفتیش کاروں نے پولیس کے ساتھ مل کر پوچھ گچھ کے لیے سخت رویہ اختیار کیا، سی اے سی آئی نے اس فیصلے پر مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے ایک بیان جاری کیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ کمپنی اس فیصلے کے خلاف اپیل کرے گی بیان میں کہا گیا تھا کہ اس معاملے میں سی اے سی آئی کے کسی ملازم پر مجرمانہ سول یا انتظامی نوعیت کا کبھی بھی الزام نہیں لگایا گیا اور یہ کہ کمپنی کے تفتیش کاروں نے ان پریشان کن کاروائیوں میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی ہمارا کوئی ملازم اس کا ذمہ دار تھا، سینٹر فار کانسٹیٹیوشنل رائٹس کے وکیل بحر اعظمی جنہوں نے مدعیان کی طرف سے مقدمہ دائر کیا تھا اس فیصلے کو انصاف اور احتساب کا ایک اہم قدم قرار دیا تھا، اعظمی نے کہا تھا کہ چار کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر کی رقم مدعیان کی طرف سے طلب کی جانے والی تلافی سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے اور یہ رقم تین کروڑ ۱۰ لاکھ ڈالر کی اس رقم سے زیادہ ہے جو مقدمہ دائر کرنے والوں کے مطابق سی اے سی آئی کو ابوغریب جیل میں اس کی تفتیش کاروں کے لیے ادا کی گئی تھی، ابوغریب جیل کی اس تصویر میں ایک قیدی کو ڈبے پر کھڑا کرنے اور سیاہ لباس پہنائے جانے کے بعد اس کے ہاتھوں سے تار جوڑ کر بجلی کے جھٹکے لگائے جارہے ہیں، اس تصویر کا تعلق سن ۲۰۰۳ کے آخری حصے سے ہے، العجیلی نے جو صحافی بھی ہیں اپنے تحریری بیان میں کہا تھا کہ آج کا دن میرے لیے اور انصاف کے لیے ایک بڑا دن ہے میں نے اس دن کے لیے طویل عرصے تک انتظار کیا، یہ اس کیس میں ایک کارپوریشن کے خلاف تین افراد کی فتح نہیں ہے بلکہ یہ فتح ہر اس شخص کے لیے ایک روشنی ہے جس پر ظلم ہوا اور یہ ہر اس کمپنی یا کنٹریکٹر کے لیے وارننگ ہے جو مختلف قسم کے تشدد اور بدسلوکیوں پر مبنی کاروائیاں کرتے ہیں، بنیادی طور پر سی اے سی آئی کا موقف یہ رہا کہ جیل میں ہونے والی بدسلوکیوں کی ذمہ دار حکومت ہے، یہ مقدمہ دو مختلف جیوریوں نے سنا اور انہوں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ تفتیش کاروں کی جانب سے بدسلوکیوں کی ذمہ داری کنٹریکٹر یا فوج کس پر عائد ہوتی ہے؟ پہلی جیوری کسی اتفاق رائے پر نہیں پہنچ سکی، جبکہ دوسری جیوری نے سی اے سی آئی کو ذمہ دار قرار دے دیا، یہ مقدمہ سب سے پہلے ۲۰۰۸ میں دائر کیا گیا تھا لیکن ۱۵ سال کی قانونی لڑائیوں اور سی اے آئی کی جانب سے مقدمے کو خارج کرنے کی متعدد کوششوں کی وجہ سے اس میں تاخیر ہوئی، مقدمے میں پیش کیے جانے والے شواہد میں فوج کے دو ریٹائرڈ جنرلوں کی رپورٹس بھی شامل تھیں، جنہوں نے بدسلوکی کے واقعات کی دستاویزات کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا اور ان میں سی اے سی آئی کے کئی تفتیش کار ملوث پائے گئے تھے۔

ایڈیٹر انقلاب جناب ودود ساجد صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "منموہن سنگھ کے دوسرے دور حکومت میں قومی سطح پر زیر ساعت ملزمین کی کل تعداد میں مسلمانوں کی تعداد ساڑھے ۲۲ فیصد تھی۔ جبکہ ۲۰۱۱ کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان کی مجموعی آبادی میں مسلمانوں کی آبادی ۱۴ء۹ فیصد ہے۔'لا اینڈ آرڈر' کا موضوع ریاستی حکومتوں کے تحت آتا ہے۔ لہذا یہاں ریاستی سطح پر جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔ ۲۰۱۱ کی مردم شماری کے مطابق آسام میں مسلمانوں کی آبادی ۳۴ فیصد ہے لیکن وہاں کی جیلوں میں زیر ساعت مسلم قیدیوں کی تعداد ساڑھے ۴۷ فیصد ہے۔ گجرات میں مسلمان ۱۰ فیصد ہیں مگر وہاں کی جیلوں میں ان کی تعداد ۲۷ فیصد ہے۔ یہاں ایک نکتہ دلچسپ ہے: جب تک وہاں کے وزیر اعلی نریندر مودی تھے تو زیر ساعت مسلم قیدیوں کی تعداد ۲۴ فیصد تھی۔ اب اس میں تین فیصد کا اضافہ ہوگیا ہے ۔کرناٹک میں مسلمانوں کی آبادی ۱۳ فیصد اور جیلوں میں ۲۲ فیصد ہے۔ جیلوں میں یہ اضافہ اچانک 2018 میں ہوا جبکہ ۲۰۱۳ سے ۲۰۱۷ تک زیر ساعت مسلم قیدیوں کی تعداد بھی آبادی کے تناسب کے مطابق ۱۳ فیصد ہی تھی۔ کیرالہ میں مسلم آبادی ساڑھے ۲۶ فیصد ہے جبکہ جیلوں میں ان کی تعداد ۳۰ فیصد ہے۔ مدھیہ پردیش میں مسلمان ساڑھے ۶ فیصد ہیں، جبکہ جیلوں میں ۱۵ فیصد ہیں۔ مہاراشٹر میں مسلمان ساڑھے ۱۱ فیصد ہیں جبکہ ۲۰۱۵ تک جیلوں میں ان کی تعداد ۳۰ فیصد تھی۔ ۲۰۱۲ میں جیلوں میں ان کی تعداد ۳۶ فیصد تھی۔ لیکن دکن ہیرالڈ کے مطابق ۳۰ اگست ۲۰۲۰ تک ان کی آبادی بڑھ کر ۲ء۱۴ فیصد ہوگئی اور جیلوں میں ان کی تعداد گھٹ کر ۱۸ء۲۶ رہ گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مہاراشٹر میں شوسینا کی قیادت والی موجودہ حکومت ان کے حق میں کچھ بہتر ثابت ہوئی۔ راجستھان کے اعداد و شمار سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کیلئے بی جے پی اور کانگریس کی حکومتوں میں یکساں صورتحال ہے۔ راجستھان میں مسلمانوں کی آبادی ۹ فیصد ہے جبکہ وہاں کی جیلوں میں مسلمانوں کی تعداد ۲۳ فیصد ہے۔ ۲۰۱۳ تک راجستھان کی جیلوں میں مسلمان ۱۳ فیصد تھے۔ بی جے پی کی حکومت آتے ہی وہاں جیلوں میں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ اضافہ کا یہ سلسلہ کانگریس کی اشوک گہلوت حکومت آنے کے بعد بھی جاری ہے۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ مرکز میں ۲۰۱۴ میں بی جے پی کی حکومت کے آتے ہی مسلمانوں کے تئیں کانگریس قیادت والی حکومتوں کا رویہ بھی ویسا ہی ہوگیا۔ حیرت اس امر پر ہے کہ تامل ناڈو جیسی ریاست میں بھی مسلمان اسی صورتحال کا شکار ہیں۔ وہاں مسلم آبادی ۶ فیصد ہے جبکہ جیلوں میں مسلمان ۱۱ فیصد ہیں۔ یوپی کے اعداد و شمار بھی حیرت انگیز ہیں۔ وہاں مسلم آبادی ۱۹ فیصد ہے' جیلوں میں مسلمان ۲۹ فیصد ہیں۔ یعنی دوگنا سے ۹ فیصد کم۔۔

اس موضوع کے تجزیہ کار بار بار یہ کہتے رہے ہیں کہ مسلمان اپنی آبادی کے تناسب سے زیادہ تعداد میں جیلوں میں تو ہیں لیکن ان کی سزا کے واقعات کی شرح کم ہے۔ مثال کے طور پر ۲۰۱۹ میں قومی سطح پر زیر ساعت مسلمان ساڑھے ۴۷ فیصد تھے لیکن ان میں سزا ۶۱ء۳۹ فیصد کو ہوئی۔ جموں و کشمیر میں ہندوؤں کی آبادی ساڑھے ۲۸ فیصد ہے' جیلوں میں ان کی تعداد ساڑھے ۳۹ فیصد ہے اور سزا کی شرح ساڑھے ۵۰ فیصد ہے۔ جبکہ یہاں مسلمانوں کی آبادی ۶۸ء۳۳ فیصد ہے' جیلوں میں ان کی تعداد ساڑھے ۶۰ فیصد اور سزا کی شرح ۵۳ فیصد ہے۔

اوپر کی ان تمام تفصیل سے جو اصل نکتہ نکل کر سامنے آیا وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی آبادی کے اعتبار سے جیلوں میں زیادہ ہیں مگر اکثر رہا ہوجاتے ہیں۔ جب تک ان کے معاملات تصفیہ کے مرحلہ میں پہنچتے ہیں وہ اپنی زندگی کا بیشتر قیمتی حصہ جیلوں میں یا مقدمہ کا سامنا کرتے ہوئے گزار چکے ہوتے ہیں۔

تھیں، جنہوں نے بدسلوکی کے واقعات کی دستاویزات کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا اور ان میں سی

اے سی آئی کے کئی تفتیش کار ملوث پائے گئے تھے۔
ایڈیٹر انقلاب جناب ودود ساجد صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "منموہن سنگھ کے دوسرے دور حکومت میں قومی سطح پر زیر ساعت ملزمین کی کل تعداد میں مسلمانوں کی تعداد ساڑھے ۲۲ فیصد تھی۔ جبکہ ۲۰۱۱ کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان کی مجموعی آبادی میں مسلمانوں کی آبادی ۱۴ء۹ فیصد ہے۔'لا اینڈ آرڈر' کا موضوع ریاستی حکومتوں کے تحت آتا ہے۔ لہذا یہاں ریاستی سطح پر جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔ ۲۰۱۱ کی مردم شماری کے مطابق آسام میں مسلمانوں کی آبادی ۳۴ فیصد ہے لیکن وہاں کی جیلوں میں زیر ساعت مسلم قیدیوں کی تعداد ساڑھے ۴۷ فیصد ہے۔ گجرات میں مسلمان ۱۰ فیصد ہیں مگر وہاں کی جیلوں میں ان کی تعداد ۲۷ فیصد ہے۔ یہاں ایک نکتہ دلچسپ ہے: جب تک وہاں کے وزیر اعلی نریندر مودی تھے تو زیر ساعت مسلم قیدیوں کی تعداد ۲۴ فیصد تھی۔ اب اس میں تین فیصد کا اضافہ ہوگیا ہے۔ کرناٹک میں مسلمانوں کی آبادی ۱۳ فیصد اور جیلوں میں ۲۲ فیصد ہے۔ جیلوں میں یہ اضافہ اچانک 2018 میں ہوا جبکہ ۲۰۱۳ سے ۲۰۱۷ تک زیر ساعت مسلم قیدیوں کی تعداد بھی آبادی کے تناسب کے مطابق ۱۳ فیصد ہی تھی۔ کیرالہ میں مسلم آبادی ساڑھے ۲۶ فیصد ہے جبکہ جیلوں میں ان کی تعداد ۳۰ فیصد ہے۔ مدھیہ پردیش میں مسلمان ساڑھے ۶ فیصد ہیں، جبکہ جیلوں میں ۱۵ فیصد ہیں۔ مہاراشٹر میں مسلمان ساڑھے ۱۱ فیصد ہیں جبکہ ۲۰۱۵ تک جیلوں میں ان کی تعداد ۳۰ فیصد تھی۔ ۲۰۱۲ میں جیلوں میں ان کی تعداد ۳۶ فیصد تھی۔ لیکن دکن ہیرالڈ کے مطابق ۳۰ اگست ۲۰۲۰ تک ان کی آبادی بڑھ کر ۲ء۱۴ فیصد ہوگئی اور جیلوں میں ان کی تعداد گھٹ کر ۱۸ء۲۶ رہ گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مہاراشٹر میں شوسینا کی قیادت والی موجودہ حکومت ان کے حق میں کچھ بہتر ثابت ہوئی۔ راجستھان کے اعداد و شمار سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کیلئے بی جے پی اور کانگریس کی حکومتوں میں یکساں صورتحال ہے۔ راجستھان میں مسلمانوں کی آبادی ۹ فیصد ہے جبکہ وہاں کی جیلوں میں مسلمانوں کی تعداد ۲۳ فیصد ہے۔ ۲۰۱۳ تک راجستھان کی جیلوں میں مسلمان ۱۳ فیصد تھے۔ بی جے پی کی حکومت آتے ہی وہاں جیلوں میں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ اضافہ کا یہ سلسلہ کانگریس کی اشوک گہلوت حکومت آنے کے بعد بھی جاری ہے۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ مرکز میں ۲۰۱۴ میں بی جے پی کی حکومت کے آتے ہی مسلمانوں کے تئیں کانگریس قیادت والی حکومتوں کا رویہ بھی ویسا ہی ہوگیا۔ حیرت اس امر پر ہے کہ تامل ناڈو جیسی ریاست میں بھی مسلمان اسی صورتحال کا شکار ہیں۔ وہاں مسلم آبادی ۶ فیصد ہے جبکہ جیلوں میں مسلمان ۱۱ فیصد ہیں۔ یوپی کے اعداد و شمار بھی حیرت انگیز ہیں۔ وہاں مسلم آبادی ۱۹ فیصد ہے' جیلوں میں مسلمان ۲۹ فیصد ہیں۔ یعنی دوگنا سے ۹ فیصد کم۔۔
اس موضوع کے تجزیہ کار بار بار یہ کہتے رہے ہیں کہ مسلمان اپنی آبادی کے تناسب سے زیادہ تعداد میں

جیلوں میں تو ہیں لیکن ان کی سزا کے واقعات کی شرح کم ہے۔ مثال کے طور پر ۲۰۱۹ میں قومی سطح پر زیر ساعت مسلمان ساڑھے ۴۷ فیصد تھے لیکن ان میں سزا ۶۱ء۳۹ فیصد کو ہوئی۔ جموں و کشمیر میں ہندوؤں کی آبادی ساڑھے ۲۸ فیصد ہے' جیلوں میں ان کی تعداد ساڑھے ۳۹ فیصد ہے اور سزا کی شرح ساڑھے ۵۰ فیصد ہے۔ جبکہ یہاں مسلمانوں کی آبادی ۶۸ء۳۳ فیصد ہے' جیلوں میں ان کی تعداد ساڑھے ۶۰ فیصد اور سزا کی شرح ۵۳ فیصد ہے۔
اوپر کی ان تمام تفصیل سے جو اصل نکتہ نکل کر سامنے آیا وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی آبادی کے اعتبار سے جیلوں میں زیادہ ہیں مگر اکثر رہا ہوجاتے ہیں۔ جب تک ان کے معاملات تصفیہ کے مرحلہ میں پہنچتے ہیں وہ اپنی زندگی کا بیشتر قیمتی حصہ جیلوں میں یا مقدمہ کا سامنا کرتے ہوئے گزار چکے ہوتے ہیں۔

وہ ٹوٹ پھوٹ کر بکھر چکے ہوتے ہیں۔ ایک طرف ان کے اعزاء ان سے دور ہوجاتے ہیں اور دوسری طرف ان کا کاروبار یا روزگار ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ اب وہ نہ تو معاشرہ میں ہی سر اٹھا کر عزت کی زندگی جی سکتے ہیں اور نہ ہی وہ خاطی پولیس والوں کے خلاف تلافی کی کوئی کارروائی کر سکتے ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق ہندوستانی جیلوں میں مسلمان قیدیوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور انہیں انصاف کی فراہمی انتہائی مشکل ہورہی ہے، دی وائر نامی ویب سائٹ پر نیشنل کرائم ریکارڈ کی ایک چونکا دینے والی رپورٹ نظر سے گزری، رپورٹ میں ہندوستان کی جیلوں میں مسلم قیدیوں کے اعداد و شمار مذکور تھے، ان اعداد و شمار کو دیکھ کر یہ یقین کرنا کوئی مشکل نہیں ہے کہ سرکاری عملہ مسلم مخالفت اور انہیں برباد کرنے کے لیے کس حد تک پہنچ گیا ہے اور حکومتی سطح پر اسلاموفوبیا کی کوشش کس قدر تیز ہو گئی ہے، اخباری رپورٹ سے ہر شخص اس کا اندازہ کر سکتا ہے، نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو کی طرف سے جاری ایک رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی جیلوں میں قانونی حراست میں رکھے گئے ۳۰ فیصد سے زیادہ قیدی مسلمان ہیں جو مسلم آبادی کے تناسب سے دوگنی تعداد ہے، دی ہندو نے بھی ۲۰۲۱ میں اپنی ایک رپورٹ میں ہندوستانی جیلوں میں حراست میں رکھے گئے قیدیوں میں ۳۰ فیصد سے زیادہ مسلمان بتایا ہے، غور طلب ہے کہ ہندوستانی جیلوں میں چار قسم کے قیدی رہتے ہیں پہلے مجرم یعنی وہ لوگ جو کسی جرم کے مرتکب پائے گئے ہوں اور انہیں عدالت نے سزا سنائی ہو، دوسرے زیر ساعت قیدی جن پر اس وقت عدالت میں مقدمہ چل رہا ہو، تیسرے حراستی جن کو قانونی طور پر حراست میں رکھا گیا ہو، چوتھے وہ جو ان تینوں زمروں میں سے کسی سے تعلق نہیں رکھتے اور جو قیدیوں کی مجموعی تعداد کا بہت چھوٹا سا حصہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ جیلوں کے بڑھتے مسائل پر حکومت کیا اقدام کررہی ہے؟ ضرورت ہے کہ فوری طور پر جیل سے متعلق مسائل حل کئے جائیں اور اس پر توجہ دی جائے۔

(مضمون نگار معروف صحافی اور کل ہند معاشرہ بچاؤ تحریک کے جنرل سکریٹری ہیں)

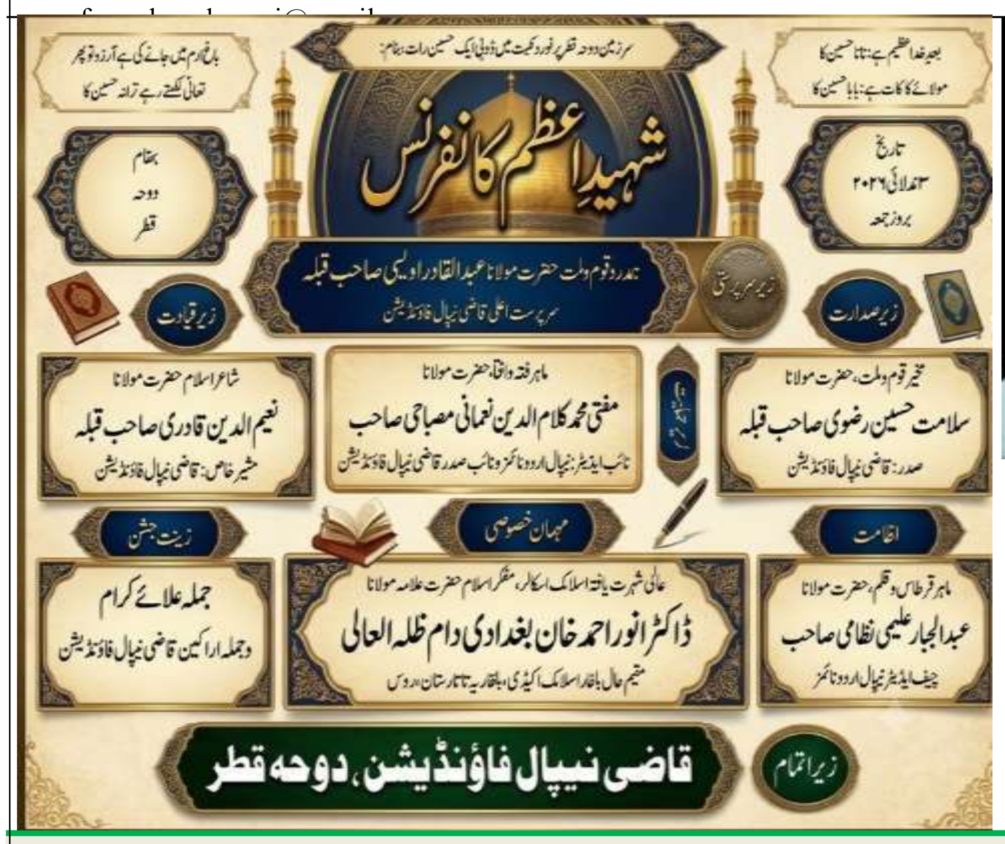

مدارس اسلامیہ کا تحفظ وقت کی سب سے بڑی ضرورت

مفتی سراج احمد قادری، مصباحی، ممبئی، انڈیا
۶۳۵۵۱۵۵۷۸۱

الحمدللہ! برصغیر کے مدارس اسلامیہ نے صدیوں سے دین اسلام کی حفاظت، قرآن و حدیث کی تعلیم، مساجد کے لیے ائمہ و خطباء کی تیاری اور امت کی دینی رہنمائی کا عظیم فریضہ انجام دیا ہے۔ انہی مدارس کی بدولت آج بھی اذانیں بلند ہو رہی ہیں، نمازیں قائم ہیں، قرآن کریم کی تعلیم عام ہے، اور دین کی بنیادی تعلیمات نسل در نسل منتقل ہو رہی ہیں۔

مگر آج حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ مختلف ریاستوں میں مدارس کے وجود پر سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔ کہیں مدرسہ بورڈ ختم کیا جارہا ہے، کہیں مدارس کو سرکاری اسکولوں میں تبدیل کیا جارہا ہے، کہیں ان کی اسناد کی قانونی حیثیت ختم کی جارہی ہے ، اور کہیں نئی تقرریوں پر پابندیاں لگ رہی ہیں۔ اگر یہی صورت حال برقرار رہی تو آنے والے وقت میں مدارس اسلامیہ کا نظام شدید مشکلات سے دوچار ہو سکتا ہے۔

یہ سوال ہر صاحب ایمان کے سامنے ہے کہ اگر مدارس کمزور ہوگئے تو آئندہ ائمہ، مفتیان کرام، حفاظ قرآن، محدثین، مفسرین اور دینی معلمین کہاں سے آئیں گے؟ مساجد میں امامت کون کرے گا؟ بچوں کو قرآن کون پڑھائے گا؟ امت کی دینی رہنمائی کی ذمہ داری کون سنبھالے گا؟

یہ وقت باہمی اختلافات میں الجھنے کا نہیں بلکہ دین کے بنیادی اداروں کی حفاظت کا ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اپنی توانائیاں غیر ضروری مباحث میں صرف کر رہے ہیں، جبکہ مدارس جیسے بنیادی دینی اداروں کے مسائل ہماری اجتماعی توجہ کے منتظر ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مدارس کے استحکام کے لیے عملی اقدامات کریں۔ ان کی مالی مدد کریں، اہل خیر کو مدارس سے جوڑیں، تعلیم کے معیار کو مزید بہتر بنانے میں تعاون کریں، اور ایسے طلبہ کی حوصلہ افزائی کریں جو دین کی خدمت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرنا چاہتے ہیں۔ مدارس کی عزت و وقار کی حفاظت دراصل دین اسلام کی خدمت ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ مدارس صرف عمارتوں کا نام نہیں، بلکہ یہ قرآن و سنت کے امین، اسلامی تہذیب کے محافظ اور امت کے روحانی مراکز ہیں۔ اگر یہ مضبوط رہیں گے تو دین کی شمع روشن رہے گی، اور اگر یہ

کمزور پڑ گئے تو اس کا نقصان پوری امت کو اٹھانا پڑے گا۔ آیئے! ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ اپنے مدارس، اپنے علما اور اپنے دینی اداروں کی حفاظت، خدمت اور تعاون کو اپنی دینی و ملی ذمہ داری سمجھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مدارس کی حفاظت فرمائے، انہیں ہمیشہ آباد رکھے، اور ان سے وابستہ تمام خادمین کو اخلاص، استقامت اور قبولیت عطا فرمائے۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810